الدلیل القوی

علیٰ

ترک القراءۃ للمقتدی

تالیف

محدث جلیل حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری

محشی صحیح بخاری و ترمذی و مشکوٰۃ وغیرہ

مرتبہ

نورالحسن راشد کاندھلوی

ناشر

مکتبہ نور

محلہ مولویان کاندھلہ ضلع شاملی

الدلیل القوی
علی
ترک القراءۃ للمقتدی

تالیف

محدث جلیل حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری
[محشی صحیح بخاری و ترمذی و مشکوۃ وغیرہ]

مرتبہ

نورالحسن راشد کاندھلوی

ناشر

مکتبۂ نور

مولویان، کاندھلہ، ضلع شاملی۔ یوپی۔ انڈیا

[سلسلۂ مطبوعات حضرت مفتی الٰہی بخشؒ اکیڈمی، کاندھلہ]

تالیف لطیف: الدلیل القوی علی ترک القراءۃ للمقتدی

مرتبہ: نور الحسن راشد کاندھلوی

کل صفحات: [۸۰] اسّی

طابع: مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ

طباعت: ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ

کمپوزنگ: شہاب الدین بستوی 09027397611

مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ

مطبع:

تعداد: گیارہ سو [۱۱۰۰]

قیمت:

MAKTABA-E-NOOR

Moulviyan,Kandhla,Distt.Shamli(U.P)

India.247775 Mb:09358667219

صفحہ	عناوین	نمبر شمار
۳	فہرست کتب	۱
۵	زیر نظر تالیف اس کے محرکات اور اس کی فارسی، اردو اشاعت	۲
	الدلیل القوی علی ترک القرأۃ للمقتدی	●
۲	سوال: حدیث عبادہ سے متعلق، جواب: سائل کو اصطلاح اہل حدیث کی اطلاع کم ہے	۱
۴	فائدہ جدیدہ: کہ صحت وضعف کا حکم قبیلہ اجتہاد سے ہے	۲
۱۴	سوال: وجوب مطلق قرأت کا حکم، امام ومقتدی پر آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ جواب: من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ	۳
۱۵	سوال: لا صلوۃ لمن لم یقرأ بہا۔ جواب: آیت مذکورہ میں دو تعمیمیں ہیں	۴
۱۶	سوال: لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب۔ جواب: اس کا مشہور ہونا غیر مسلم ہے	۵

۶	سوال: من صلی صلوۃ لم یقرأفیھا الخ. جواب: واذا قری القران	۳۸،۳۷
۷	فائدہ: معنی حدیث ابو ہریرہ کے بھی موافق	۴۲
۸	سوال: سقوط قرأت کا مقتدی سے ہے	۵۲
۹	بطلان اس کا متعدد وجوہ سے ہے	۵۲
۱۰	وجہ اول	۵۲
۱۱	وجہ ثانی	۵۲
۱۲	وجہ سوم	۵۷
۱۳	وجہ چہارم، پنجم	۶۰
۱۴	سوال: واذا قرأی القرآن. کا ظاہری مطلب	۶۱
۱۵	جواب: قول چند وجوہ سے مرفوع	۶۲
۱۶	وجہ اول: حکم خدا پاک کو اپنی رائے سے	۶۲
۱۷	وجہ دوم: اگرچہ بعض آثار سے ثبوت	۶۴
۱۸	حکایت: شان امام اعظم سے متعلق	۷۰
۱۹	امام اعظم کی فراست سے متعلق	۷۱

زیر نظر تالیف اس کے محرکات
اور اس کی فارسی، اردو اشاعت

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

محدث جلیل، عالم کبیر، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری ولادت ۱۲۲۵ھ، وفات ۱۲۹۸ھ برصغیر ہندو پاکستان کی تاریخ میں، متعدد حیثیتوں سے منفرد تھے۔ حضرت مولانا نے، حدیث شریف کے بنیادی اہم ترین کتابوں کے، متون کی تصحیح، حاشیہ نویسی اور اعلیٰ درجہ کی شایان شان طباعت کی جو متواتر و مسلسل خدمت انجام دی ہے، اس میں حضرت مولانا، بلاشبہ فرد فرید اور بے مثال تھے۔

حضرت مولانا کی مرتبہ کتابوں اور ان کے حاشیوں سے، برصغیر ہند کے علاوہ اور ملکوں کے تعلیمی، تصنیفی اداروں میں ہمیشہ استفادہ کیا جاتا ہے، اور بظاہر صدیوں تک یہ روایت اور فیضان اسی طرح جاری رہے گا۔

لیکن ان بڑی خدمات، علمی کاموں کی ہمہ وقت مشغولی درس و تعلیم کی بے پناہ مصروفیات کے باوجود، حضرت مولانا اور دینی اصلاحی خدمات سے بے توجہ نہیں رہے۔ ضروری دینی اصلاحی موضوعات پر تحریرات و فتاویٰ لکھنے کے علاوہ، چند رسائل بھی تحریر کیے، حضرت مولانا کی ایسی ہی تحریرات و مؤلفات میں سے، ایک یادگار تالیف: ”الدلیل القوی علی ترک القرأة للمقتدی“ بھی ہے۔

اگرچہ ایسے موضوعات پر، جن کا براہ راست حدیث سے رابطہ ہے، لکھنا اور مناسب رہنمائی فرمانا، خدمت حدیث ہی کا ایک پہلو تھا، مگر حضرت مولانا نے اس پر تحریر وتردید اور اختلاف ومباحثہ کو کبھی پسند نہیں کیا۔ حضرت مولانا احمد علی کے مرتبہ، حدیث کی کتابوں کے حاشیے پڑھنے والے، اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت مولانا نے ان حاشیوں میں، فقہی اختلافات ودلائل کو، اختلاف رائے تک محدود رکھا ہے، مناقشہ اور مباحثہ کا رنگ دینے سے احتیاط برتی ہے۔ کیونکہ یہ حضرت مولانا کا مزاج ہی نہیں تھا۔ الدلیل القوی کے آغاز پر صراحت فرمائی ہے کہ:

"ایں ضعیف کہ در مقدمات اختلافیہ، بحث وتنازع را مستحسن نمی پندارد، بار دیگر ہم بجوابش، بطور سابق کنارہ ورزیدہ، دفع الوقتی بایں نہج کردہ ام کہ مؤطا محمد را، ازیں جا برآوردہ، پیش سید ضامن علی صاحب نہادم کہ ازیں کتاب، چندیں روایات کہ از اخبار وآثار ذکر کردہ است، نقل کردہ باید فرستاد۔ باز مرتبہ سویم، جواب روایات ہم رقم شدہ، سید صاحب ممدوح کہ واسطہ ایں تحریر فیمابین بودند، بس تاکید واصرار فرمودند، دریں معنیٰ کہ یک بار جواب ایں امر متوجہ شدہ باید نوشت۔

ہر چند ایں امر مرغوب طبیعتم نبود، ونیز فرصت دست نمید ہد، لیکن سبب کمال تاکیدات سید ضامن علی صاحب ونیز بتصور ایں کہ، مولوی محمد شاہ، ہم مرد دین دار ہستند، وغرض ازیں تحقیق دارند، نہ بحث وجدل! طوعاً وکرہاً ایں چند کلمات بسلک تحریر کشیدم" [1]

(۱) [طبع اول، احمدی دہلی: ۱۲۷۰ھ]

اردو ترجمہ کے لئے زیر نظر نسخہ کا پہلا دوسرا صفحہ ملاحظہ ہو۔

تاہم حضرت مولانا نے قرأۃ خلف الامام کے موضوع پر، ممتاز عالم، مولانا محمد بن عبدالقادر لدھیانوی کی درخواست بلکہ مسلسل اصرار پر، ایک تحریر مرتب فرمائی تھی، یہ تحریر فارسی میں تھی، حضرت مولانا نے اس کو ''الدلیل القوی علی ترک القرأۃ للمقتدی'' کے نام سے موسوم کرکے، اپنے مطبع احمدی، دہلی سے شعبان ۱۲۷۰ھ [مئی ۱۸۵۴ء] میں شائع کردیا تھا۔ اس کے سرورق کی عبارت یہ ہے:

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا

بأم القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام

الحمد للّٰہ کہ رسالہ عجیبہ غریبہ موسومہ

بالدلیل القوی علی ترک القراءۃ للمقتدی

دربیان ترک قرأۃ فاتحہ خلف الامام

بمطبع احمدی واقع دہلی باہتمام ظفر علی

بماہ شعبان ۱۲۷۰ھ من ہجرۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم طبع گردید

یہ اشاعت صرف چوبیس صفحات پر مشتمل ہے، فی صفحہ انیس سطریں ہیں، نہایت عمدہ کتابت ہے، سفید نفیس کاغذ پر چھپی ہے۔

الدلیل القوی کے فارسی نسخہ کی، ایک صاف اچھی نقل، مدرسہ رحمانیہ مونگیر کے کتب خانہ میں موجود ہے جو راقم کی نظر سے گزری ہے، اس کا صاف فوٹو اسٹیٹ ہمارے

ذخیرے میں ہے۔ یہ نسخہ غالباً حضرت مولانا محمد علی مونگیری کے قلم کی یادگار ہے، مولانا محمد علی مونگیری، حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری کے شاگرد تھے۔

مولانا لدھیانوی نے، الدلیل القوی کے مندرجات کی اہمیت کی وجہ سے، چاہا، کہ اس کا اردو میں ترجمہ بھی شائع ہو۔ حضرت مولانا کو، مولانا لدھیانوی کے علمی مقام اور خدمت حدیث کی وجہ سے[1] ان کی خاطر عزیز تھی، اس لئے، فرمائش کو قبول کرتے ہوئے، اس کا اردو میں ترجمہ بھی فرمایا۔

یہ ترجمہ اصل فارسی متن کے عنوان سے شائع ہوا، اردو ترجمہ انچاس صفحات پر مشتمل ہے، فی صفحہ اکیس سطریں آئی ہیں، اس کا قلم فارسی نسخہ کی نسبت کچھ باریک ہے اور ویسا عمدہ اور صاف بھی نہیں ہے، اردو ترجمہ:

"مطبع رحیمی، منشی عصمت اللہ، سرائے نواب علی محمد خاں سے چھپا تھا"

مقام طباعت درج نہیں، غالباً لدھیانہ کا چھپا ہوا ہے، ۸ رجب ۱۲۹۵ھ [۹ رجولائی ۱۸۷۸ء] کو، اس کی طباعت مکمل ہوئی تھی۔

الدلیل القوی کی اردو طباعت کے آخر میں، الدلیل القوی کی تالیف اور اردو ترجمے کے محرک و ناشر، مولانا محمد بن عبدالقادر لدھیانوی کی ایک مختصر تالیف: "رسالہ فی منع شرب الدخان" چھپا ہے، جو فارسی میں ہے اور صرف چھ صفحات پر مشتمل ہے۔

الدلیل القوی کے اردو متن کے سرورق کی عبارت اس طرح ہے:

واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون

---

(۱) مولانا محمد بن عبدالقادر لدھیانوی، حدیث کا ذوق رکھتے تھے، حضرت مولانا احمد علی سے تلمذ تھا، موطا امام محمد کا متن تصحیح کر کے اور اس پر حاشیہ لکھ کر شائع کیا تھا اور بھی متعدد خدمات ہیں علمی کاموں میں حضرت مولانا احمد علی کے معین تھے۔

للّٰہ الحمد والمنۃ کہ نسخ ماں کلام مولوی محمد بن مولانا مولوی عبد القادر
صاحب مرحوم لودیانوی، ترجمہ

الدلیل القوی علی ترک القراءۃ للمقتدی

کہ از تصنیفات وافادات، رأس العلماء العاملین ورئیس الفقہاء والمحدثین، مولینا الحاج
الحافظ مولوی احمد علی سہارنپوری، ادام اللّٰہ ظلہ العلی ہست

درمطبع رحیمی منشی عصمت اللہ
واقع سرائے نواب علی محمد خاں صاحب مطبوع گردید

اس کی طباعت کا بھی مولانا لدھیانوی نے اہتمام کیا تھا۔

اگرچہ حضرت مولانا نے خود اس کی طباعت واشاعت پر توجہ نہیں فرمائی تھی، مگر اس کے علمی وزن اور دلائل کا یہ اثر ہوا کہ مولانا محمد سعید بنارسی کے الفاظ میں:

"اعظم گڈھ اور اس کے اطراف میں لوگوں نے آمین بالجہر کہنا چھوڑ دیا تھا"[1]

مولانا سعیدی صاحب نے اس کا جواب لکھنے کی بھی کوشش کی تھی، مگر جواب ناتمام رہا، تاہم اس سے مراجعت واستفادہ جاری رہا، مگر یہ اس تالیف کی تالیف وافادیت کا صرف ایک پہلو ہے۔

اس کی ایک اور اہمیت یہ ہے کہ یہ ترجمہ یا تالیف، حضرت مولانا احمد علی کی اس وقت تک معلوم واحد مفصل اردو تصنیف وتحریر ہے۔ حضرت مولانا کے اردو میں فقط چند خطوط اور ایک یا دو، فتوے، معلوم ہیں، حضرت مولانا کی الدلیل القوی کے علاوہ، اردو میں کوئی اور تصنیف معلوم نہیں ہے، اس لئے اس کو، حضرت مولانا کی اردو نثر کی ایک یادگار اور علمی تحفہ کے طور پر، قارئین گرامی کی خدمت میں پیش کرنے کی، سعادت ومسرت حاصل ہورہی ہے۔

---

(۱) عبارت سامنے نہیں، الفاظ تقریباً یہی ہیں۔

طباعت کے لئے اردونسخہ کا، فارسی متن سے مقابلہ کیا گیا،تو معلوم ہوا، کہ یہ فارسی کا فقط ترجمہ نہیں ہے، حضرت مولانا نے فارسی نسخہ کے مندرجات پر،متعدد اضافے کئے ہیں اورفارسی نسخہ کے بعض عبارتوں اورمندرجات کونظرانداز بھی کردیا ہے،اس لئے اس کی افادیت واہمیت فارسی نسخہ سے بڑھ کر ہے۔اس تالیف کے جومراجع ہماری دسترس میں تھے،ان سے رجوع کرکے دستیاب مطبوعہ نسخوں کا حوالہ درج کردیا ہے۔

نورالحسن راشدکاندھلوی

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ

۲۱ جنوری ۲۰۱۶ء

بسم الله الرحمن الرحیم

بعد الحمد والصلوۃ! عرض کرتا ہے خادم الطلبا احمد علی سہارنپوری، کہ سبب تحریر رسالہ: "الدلیل القويّ علی ترک القراءۃ للمقتدي" یہ ہوا تھا، کہ ایک محب قلبی أعني سید ضامن علی صاحب سہارنپوری نے، ایک مرتبہ اس عاجز سے یوں فرمایا، کہ جناب مولوی محمد شاہ صاحب لدھیانوی نے، استفسار کیا ہے کہ حدیث عبادہ بن صامتؓ درباب قرأۃ فاتحہ خلف امام ثابت ہے، یا نہیں۔ برتقدیر ثبوت، حنفی اس حدیث کا کیا جواب دیتے ہیں، میں نے کہا البتہ حدیث مذکور ابوداؤد وغیرہ نے نقل کی ہے اور تمسک حنفیوں کا آیت: "واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا" [1] ہے۔

سید صاحب ممدوح نے یہی جواب مولوی محمد شاہ صاحب کو تحریر کردیا، مولوی محمد شاہ صاحب نے دوبارہ پھر کچھ تحریر کیا، یہ عاجز جو مقدمات اختلافیہ میں بحث کو اچھا نہیں سمجھتا، دوبارہ پھر جواب سے کنارہ کشی کر کے موطا امام محمد کا، روبرو سید صاحب ممدوح کے رکھ دیا، کہ اس میں سے، احادیث منع قرأت کی نقل کر کے بھیج دو۔

تیسری دفعہ پھر مولوی محمد شاہ صاحب کا خط جواب ان روایات میں آیا، پھر سید صاحب ممدوح نے تاکیداً اس عاجز کو ارشاد کیا، کہ جواب اس مسئلہ کا توجہ تام سے لکھنا چاہیے، اگرچہ یہ امر مرغوب طبع اس عاجز کے نہیں تھا، اور فرصت بھی کم تھی، مگر بسبب کمال تاکید سید موصوف اور دینداری مولوی محمد شاہ صاحب مرحوم کے، یہ رسالہ/ زبان فارسی میں تصنیف کیا گیا تھا، اب باستدعا بعضے احباء، ترجمہ اس کا زبان اردو میں کیا جاتا ہے۔ لاحول ولاقوۃ إلا باللہ وھو المستعان وعلیه التکلان.

---

(۱) سورۃ الأعراف: الآیۃ ۲۰۴

سوال (۱) حدیث عبادہ بن صامتؓ کے جو ابوداوٗد وغیرہ نے اس کو روایت کیا ہے، صحیح ہے، (۲) اور اس میں صاف حکم ہے، مقتدی کو فاتحہ پڑھنے کا، اور روایت موٗطا امام محمد کی معارضہ حدیث صحیح مرفوع کا نہیں کر سکتی، علاوہ اس کے صحت اسانید روایات مذکورہ میں محل تاٗمل کا ہے، کیونکہ صحت احادیث صحاح ستہ پر سب علماء کا اتفاق ہے اور دیگر کتب احادیث میں ثبوت اس امر کا بہت مشکل ہے اور جواب تعارض آیت کا ساتھ حدیث عبادہؓ کے یہ ہے کہ حدیث بالکل معارض آیت کی نہیں، بلکہ حدیث مخصص آیت کی ہے کیونکہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ جب پڑھا جاوے قرآن، سنو تم اس کو اور چپکے رہو۔ اور مطلب حدیث عبادہؓ کا یہ ہے کہ مقتدی کو فاتحہ کا پڑھنا ضرور ہے۔

علاوہ بریں نماز سریہ میں بالکل تعارض نہیں، کیونکہ مفاد آیت کا یہ ہے کہ چپکا رہے، واسطے سننے کلام اللہ کے نماز سریہ میں، بسبب عدم استماع کے چپکے رہنا بھی لازم نہ ہوا، اس قدر خلاصہ بعض رسائل کا، بیچ دل اس عاجز کے محفوظ تھا، جواب اس کا عنایت ہو۔

جواب: پوشیدہ نہ رہے کہ عبارت سوال کی سے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سائل کو اطلاع اوپر اصطلاح اہل حدیث کے کم ہے، اس واسطے اولاً ذکر کرنا بعض اصطلاحات کا ضرور ہوا۔

فاقول وباللہ التوفیق:

جاننا چاہیے کہ معنی صحیح ہونے حدیث کے نزدیک محدثین کے یہ ہیں:

(الصحیح) مااتّصل سندہ☆ بنقل العدل الضابط عن مثلہ وسلم عن شذوذٍ وعلّةٍ، إذا قیل في حدیث☆: إنه صحیحٌ،

---

(۱) یہ سوال مولوی محمد شاہ کے خط کا ترجمہ ہے۔

☆اصل میں "۱ سنادہ" ہے۔

☆اصل میں "الحدیث" ہے۔

فمعناه ما ذكرنا، ولا يلزم أن يكون مقطوعاً به في نفس الأمر، وكذا إذا قيل: إنهٗ غير صحيح، فمعناه أنه لم يصح إسناده علىٰ هذا☆ الوجه المعتبر، لا إنه كذب في نفس الأمر. كذا في جواهر الأصول.[1]

یعنی جواہر الاصول میں لکھا ہے کہ حدیث صحیح، محدثین کے نزدیک وہ ہے، کہ علی الاتصال اسناد پہنچانے والے اس حدیث کے، نیک بخت ثقہ لوگ ہوں اور بچی ہوئی ہو وہ حدیث شذوذ اور علت سے، اور جب کہا جاوے کہ یہ حدیث صحیح ہے، پس معنی اس کے یہی ہیں جو ذکر کیے، ہم نے، اور نہیں لازم کہ وہ حدیث نفس الامر میں قطعی ہو، اور اسی طرح جب کہا جاوے کہ یہ حدیث صحیح نہیں، پس معنی اس کے یہ ہیں، کہ اسناد اس حدیث کی معتبر طور سے ثابت نہیں نہ کہ یہ حدیث نفس الامر میں جھوٹی ہے۔

پس اگر حدیث صحیح حد تواتر کو پہنچے، فائدہ یقین کا دے گی، اور اگر درجہ شہرت کو پہنچے، تسلی اور اطمینان بخشے گی، اور اگر خبر واحد ہے تو فائدہ ظن کا دے گی، جیسا کہ بیان کیا ہے علماء نے اصول حدیث میں۔ پس حکم ساتھ صحت حدیث کے موقوف ہے اوپر شرائط مذکورۃ الصدر کے، اگر چہ حدیث صحاح ستہ میں نہ ہو، اور صحاح ستہ میں، سوائے صحیحین کے احادیث صحیحہ اور ضعیفہ موجود ہیں، اور نام رکھنا ان کا صحاح، باعتبار اغلب کے ہے، جیسا کہ شیخ عبد الحق دہلوی نے، بیچ مقدمہ ترجمہ مشکوۃ کے کہا ہے:

کتب ستہ کہ مشہور اند، دراں اقسام احادیث از صحاح وحسان وضعاف ہمہ موجود اند،

---

(1) جواہر الأصول: ص: ۱۸-۱۷۔ تحقیق قاضی اطہر مبارک پوری [دار السلفیہ — بمبئی: بلا سنہ]

☆ اصل میں "ہذا" نہیں ہے۔

وتسمیہ آں بصحاح ☆بطریق تغلیب است، انتہی۔ [1]

بخاری اور مسلم نے اگرچہ غیر صحیح کو اپنی دانست میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں داخل نہیں کیا، لیکن یہ نہیں کہ کل احادیث صحیحہ صحیحین میں درج کی گئی ہیں، امام بخاری خود فرماتے ہیں کہ ”نہیں داخل کی میں نے کوئی حدیث بخاری میں، سوائے صحیح کے اور نہیں داخل کیں میں نے بہت صحیح حدیثیں بخاری میں“ اور اسی طرح فرمایا ہے امام مسلم نے صحیح مسلم میں۔ [2]

پس حکم صحت اور ضعف کا نزدیک محدثین کے بفقط باعتبار احوال رواۃ کے ہے اور حکم صحت جملہ احادیث صحیحین کا، اسی قبیل سے ہے۔

فائدۂ جدیدہ (۲): [3] حکم صحت اور ضعف حدیث کا قبیلہ اجتہاد سے ہے، مثلاً امام بخاری نے بموجب تحقیق اپنی کے، بخاری میں ایسی احادیث داخل کی ہیں، کہ جن کے راویوں کو امام بخاری نے بہت معتبر اور مستند جانا، اگرچہ وہ روات باعتبار اجتہاد اور تفتیش اور محدث کے معتبر ہوں یا نہ ہوں، اسی واسطے بعض روات احادیث صحیحین کے، بموجب تحقیق بعض محدثین کے مجروح ومبحوث فیہ بھی ہیں۔ ایسا ہی ذکر کیا ہے علامہ حلبی نے کبیری میں:

حیث قال: أفلا یکون ☆الحکم بأصحیة الشروط لیس مما یقطع فیہ بمطابقتہ الواقع، فیجوز/ کون الواقع خلافہ، وقد

(۱) اشعۃ اللمعات: وصل۔ کتب ستہ کہ مشہور اند، ص:۸، ج۱ [عکس نول کشور لکھنؤ: ۱۳۸۳ھ مجیدیہ۔ ملتان]

(۲) وروی عنہ قال: ما ادخلتُ فی کتاب الجامع الا ما صحّ وترکت کثیراً من الصحاح لحال الطول صحیح البخاری: مقدمہ ص:۴ [م: الاصلاح۔ مراد آباد: ۱۳۱۵ھ] صحیح المسلم: مقدمہ ص: ۱۶ [عکس اصح المطابع۔ دار الاشاعۃ العلمیۃ کلکتہ: بلا سنہ]

(۳) فائدہ جدیدہ: یعنی یہ فائدہ حضرت مؤلف نے اسی ترجمہ میں اضافہ فرمایا ہے۔ اصل فارسی تالیف میں یہ بحث اور گفتگو شامل نہیں تھی۔

☆ اصل میں ”ب“ نہیں ہے۔ ☆ اصل میں ”افلا یکون“ نہیں ہے۔

أخرج مسلم في كتابه عن كثير (۱) ممن لم يسلم من غوائل الجرح، وكذا في البخاري جماعة تكلم فيه، فدار الأمر في الرواة على اجتهاد العلماء، وكذا في الشروط، حتى من اعتبر شرطا وألغاه الآخر يكون ماروا ه الآخر مما ليس فيه ذلك الشرط عنده مكافيا لمعارضة المشتمل على ذلك الشرط وكذا فيمن ضعّف راويا ووثّقه الآخر، نعم تسكُنُ نفسُ غير المجتهد☆ ومن لم يخير أمر اللوالي بنفسه إلى ما اجتمع عليه الأكثر. انتهى مُلخّصاً.(۲)

یعنی حکم اصح ہونے شروط کا، اس قبیلہ سے نہیں، کہ قطعیت اس کے نفس الامر ہی ہو، پس جائز ہے کہ اصحیت بعض شروط کے مخالف ہو واقع کے، اور نہ سالم ہونا اکثر رجال مسلم اور بخاری کا جرح اور کلام سے شاہد عدل ہے، اس مدعا پر پس مدار امر رواۃ اور شروط کا اوپر اجتہاد علماء کے ہے، یعنی اگر اعتبار کیا کسی شرط کو ایک مجتہد نے اور نہ مانا اس کو دوسرے مجتہد نے، پس حدیث نزدیک مجتہد دوسرے کے، بدون لحاظ شرط مجتہد اول کے معارضہ پورا کر سکتی ہے۔ اس حدیث سے جو مجتہد اول نے بلحاظ شرط اپنے کے روایت کیا ہے، اسی طرح اگر ضعیف کہا ایک روای کو ایک محدث نے اور قوی کہا اس کو دوسرے نے۔ یعنی مثلاً اگر زید کو امام بخاری نے بموجب تحقیق اپنی کے ضعیف کر کے، اس کی روایت کو معتبر نہ سمجھا اور کسی اور محدث نے بموجب اجتہاد اپنے کے، زید کو قوی جان کر ساتھ روایت اس کے کی۔ پورا معارضہ بخاری کی حدیث سے کر سکے گا، غرض بغیر مقلد کے، مجتہد کی تحقیق پر کسی کو تسلی حاصل نہیں ہوتی۔

---

(۱) شرح فتح القدير ۱/۴۴۵ توجيه النظر الى أصول الاثر/۲۹۹. التقرير والتحبير ۳/۳۰.

(۲) حلبي كبير: سنن الصلاة۔ فصل في النوافل ص:۳۸۶ [سہیل اکیڈمی۔ لاہور ۱۳۹۹ھ]

☆ اصل میں "مقلد" ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ صحیحین کی صحت پر اجماع ہونے کے پھر کیا معنی ہیں، تو جواب اس کا یہ ہے کہ امام بخاری اور مسلم نے بموجب تحقیق اپنی کے، صحیحین میں بجز حدیث صحیح الاسناد کے داخل نہیں کی، بخلاف ابن ماجہ وغیرہ کے، اور اجماع مذکور سے یہ مراد نہیں کہ تمام احادیث صحیحین، بموجب تحقیق کل محدثین کے صحیح الاسناد ہیں، کیونکہ مجروحیت رجال بخاری اور مسلم کی، بموجب تحقیق اور محدثین کے، صاف دال ہے اوپر بطلان اس مدعا کے۔ اسی طرح دعویٰ مقدم ہونے حدیث بخاری اور مسلم کا، اوپر باقی احادیث کے، اگرچہ اسناد ان احادیث کے موافق شرط بخاری اور مسلم کے ہو، محض بے بنیاد ہے۔

قال في الكبيري: لايرجح مافي الصحيحين أو أحدهما، بما قيل أصح الأحاديث، ما اتفقا عليه، ثم ما تفرّد☆ به البخاري، ثم ماتفرّد ☆به مسلم، ثم مااشتمل على شرطهما، ثم ما/على شرط البخاري، ثم ماعلى شرط مسلم، فان ذالک تحكم لايجوز التقليد فيه، لأن الأصحية، ا نماهي لاشتمال رواتهما على الشروط.☆(۱) ا نتهى.

یعنی ترجیح دینی حدیث کو، بایں طریق کہ جو حدیث صحیحین میں موجود ہو، اس کو سب احادیث سے معتبر جاننا، بعد اس کے جو حدیث صرف بخاری میں موجود ہو، معتبر سمجھنا، بعد اس کے جو صرف مسلم میں موجود ہو، بعد اس کے جو حدیث، بموجب شرط بخاری اور مسلم کے ہو، معتبر سمجھنا دعویٰ بلا دلیل ہے،

(۱) حلبي كبير: صفة الصلاة ـ فصل في النفل ص:۳۷۰ [مطبع مجتبائی ـ دہلی: ۱۳۳۳ھ] ص:۳۸٦، [سہیل اکیڈمی ـ لاہور: ۱۳۹۹ھ]

☆ اصل میں "تفرّدہ" ہے۔

☆ اصل میں "الشرط" ہے۔

کیونکہ اعتبار صحت حدیث کا، باعتبار احوال رواۃ کے ہے، نہ باعتبار اوراق بخاری اور مسلم کے، اور ترجیح جواب حدیث بخاری کے، مسلم وغیرہ کی حدیث کو بیان کرنا اہل علم کا قدیم الزمان سے، دلیل کامل ہے، واسطے ابطال ترجیح مذکور کے۔

كما ذكر القسطلاني شارح البخاري في باب الإيلاء: وأجاب كمال اللين عن حديثي الباب بماأخرجه ابن أبي شيبة عن ابن عباس وابن عمر، قالا: إذا آلى الحديث قال: ورجال هذا السند كلهم أخرج لهم الشيخان،فهم رجال الصحيح، فينتهض معارضاً، ولم يبق ا لاقول من قال: بأن أصح الحديث،مافي الصحيحين، ثم ماكان على شرطهما، ا لى آخرما عُرف،قال: وهذا تحكم محض، لأنه ا ذاكان الغرض أن المروي على نفس الشرط المعتبر عندهما فلم يفته ألا كونه لم يكتب في خصوص أوراق معينة ولاأثر لذلك، انتهىٰ مُلخّصاً.[1]

اور علی وجہ التسلیم نہیں ممکن جریان ترجیح مذکور کا نسبت تمسکات بائمہ اربعہ کے، کیونکہ بخاری اور مسلم بعد ائمہ اربعہ کے تالیف کی گئی ہے۔ واللہ أعلم وعلمه أتمّ.

اور سوائے صحاح ستہ کے اور کتابیں حدیث کی بھی معتبر ہیں، اوران میں بھی بہت حدیثیں صحیح اور واجب العمل ہیں اور بعض صحاح ستہ میں نہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے عجالہ نافعہ میں فرمایاہے، کہ کتاب مؤطا امام مالک کی صحیحین ہے اور روات اس کتاب کے سب محدثین کے نزدیک معتبر ہیں، صحیح بخاری اور صحیح مسلم اگرچہ مؤطا سے دہ چند ہیں، مگر طریق

---

(1) ا رشاد الساري لشرح صحيح البخاري للقسطلاني، ص:۱۵۵۴. [مصر بلاسنه]

روایت اور تمیز رجال اور راہ اعتبار اور استنباط کا، موطا سے سیکھا ہے۔ پورا[1] ہوا ترجمہ شاہ صاحب کے کلام کا بطور اختصار کے۔

اور اسی طرح منقول ہے شاہ ولی اللہ صاحب سے اور حاکم نے جو احادیث صحیحہ بخاری اور مسلم سے رہ گئی ہیں، اپنی کتاب مستدرک میں درج کی ہیں، اسناد ان احادیث کی، موافق شرط صحیحین کے ہے، یا موافق شرط بخاری، مسلم یا شرط صحیح ابن خزیمہ۔ اور صحیح ابن حبان وغیرہ کے ہے۔ قطع نظر اس سے، اگر کوئی حدیث معمول بہ امام اعظم کی ہو اور صحاح وغیرہ میں اس حدیث کو ضعیف لکھا ہو، ضعیف کہنا / ان کا بہ نسبت امام اعظم کے لائق قبولیت کے نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ تا پہنچنے ان محدثین کے، بسبب لحوق راوی مجروح کے ضعیف ہو گئی ہو اور امام اعظمؒ کی سند میں وہ راوی نہ آیا ہو، بسبب اس کے کہ زمانہ امام اعظمؒ کا، اس شخص سے مقدم ہو، یا اسناد امام اعظمؒ کی دوسرے طریق معتبر سے ثابت ہو۔ حاصل کلام کا یہ ہے کہ متقدمین کو خدا تعالیٰ نے ایسی فضیلت دی ہے کہ متاخرین، متقدمین پر یوں اعتراض نہیں کر سکتے، کہ امام نے قوی اور صحیح حدیث کو ترک کر کے، ضعیف پر عمل کیا ہے، کیونکہ متقدمین کو خدا تعالیٰ نے سمجھ شریعت کی بسبب قرب زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، زیادہ تر عطا فرمائی تھی، اسی واسطے اصول میں لکھا ہے:

”حکم المعارضة بين السُّنَّتين المصيرا   لى أقوال الصَّحابة“

یعنی اگر دو حدیثیں آپس میں مختلف ہوں، تو حکم اس کا یہ ہے کہ رجوع کیا جاوے طرف اقوال صحابہ کے۔

خاص کر قول فقہاء صحابہؓ، مثل خلفاء اربعہؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ اور زید بن ثابتؓ وغیرہ کا دلیل قوی اور آئینہ ہے واسطے مراد شارع کے، خاص کر امر کثیر الوقوع

(۱) عجالہ نافعہ از شاہ عبد العزیز محدث دہلوی: طبقہ اولیٰ۔ ص:۶ [مطبع مصطفائی۔ کانپور: ۱۲۵۵ھ]

میں، مثل قراۃ صلوٰۃ وغیرہ کے۔ یہاں تک کہ مخالف ہونا حدیث مرفوع کے اکثر صحابہ کا، ایسے مقدمہ میں خبر دینے والا ہے ساتھ ضعیف ہونے اس حدیث کے، کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ جو امر حضرت کے روبرو ثبوت کو پہونچ چکا ہو، پھر اس امر کو صحابہ کبار نے، بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یک لخت ترک کر دیا ہو۔

پس امر قرأت خلف امام کا، جو ہر روز پانچ دفعہ عمل میں آتا ہے، ایسا نہیں کہ توجہ نہ کی جائے طرف جمہور صحابہ کے، اور حالانکہ قرآن اور حدیث بھی، موافق قول ان کے ہو۔

بعد تمہید اس مقدمہ کے بیان کیا جاتا ہے، حال حدیث عبادہ بن صامت ؓ کا۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی نے، بایں الفاظ روایت کیا ہے:

عن عبادة بن الصامت رضي الله عنه قال: كنا خلف رسول ☆ الله ﷺ في صلوة الفجر فقرأ رسول الله ☆ فثقلت عليه القراءة، فلما فرغ قال: لعلكم تقرؤون خلف امامكم، قلنا: نعم هذا ☆ يارسول الله ﷺ، قال: لاتفعلوا الا بفاتحة الكتاب فانه لاصلوة لمن لم يقرأ بها(۱).

یعنی عبادہ ؓ نے کہا کہ تھے، ہم پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فجر کی نماز میں، پس پڑھا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پس بھاری ہوئی قرأت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر، فرمایا بعد فارغ ہونے نماز سے، شاید تم پڑھا کرتے ہو پیچھے امام کے، کہا ہم نے ہاں! فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) سنن أبي داؤد: كتاب الصلاة۔ باب من ترك القراءة في صلاته: ۱۱۹ ج: ۱ [دار الاشاعة العلميه۔ كلكته: ۱۳۰۰ھ] تحقيق شيخ محمد عوامه ص: ۵۲۱ ج ا رقم الحديث: ۸۱۹ [مؤسسة الريان ـ بيروت: ۱۴۲۵ھ]

☆ اصل میں "النبي" ہے۔

☆ اصل میں "رسول الله" نہیں ہے۔

☆ اصل میں "هذا" نہیں ہے۔

نے کہ نہ پڑھا کرو پیچھے امام کے مگر سورۂ فاتحہ، کیونکہ جو شخص سورۂ فاتحہ کو نہیں پڑھتا، نماز اس کی نہیں ہوتی۔

اس حدیث کی اسناد میں جو محمد بن اسحاق واقع ہے، اس کو شیخ ابن حجرؒ نے "تقریب التہذیب" میں یوں لکھا ہے:

محمد بن اسحاق بن یسار صدوق یدلس و رمی بالتشیع والقدر.[1] یعنی مدلس اور مطعون تھا ساتھ رافضی اور قدریہ ہونے کے۔

اور روایت نسائی اور ابوداؤد کی سند میں نافع بن محمود[2] واقع ہے، اور اس کو تقریب التہذیب میں مستور الحال لکھا ہے، یعنی اس کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کا کچھ علم نہیں، اور یحییٰ بن معین نے جو محدثین معتبرین اور ائمۂ محققین علم حدیث سے ہیں، کہا ہے کہ جملۂ استثنائیہ اس حدیث کا، سند معتبر سے ثابت نہیں، اسی واسطے ترمذی میں دوسری حدیث عبادہ کی کو جو بغیر اس جملہ کے مروی ہے، اصح لکھا ہے، کیونکہ روات اس حدیث کے، جو خالی ہے جملہ استثنائیہ سے سب معتبر ہیں۔ اور اسی واسطے بخاری میں بھی جملۂ استثنائیہ والی حدیث کو داخل نہیں کیا، باوجودیکہ باب وجوب القراءۃ خلف الامام کا، بخاری میں موجود ہے، اگر حدیث عبادہ بن صامتؓ کی صحیح الاسناد ہوتی، تو امام بخاری اس حدیث کو ضرور داخل کرتا، اور نیز تصریح کی ہے زیلعی نے، کہ امام احمدؒ اور ایک جماعت نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، اور نیز اس حدیث عبادہؓ کی ضعیف کرتی ہے دوسری حدیث عبادہؓ کی، جو ابوداؤد میں مروی ہے اور یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، کیونکہ روات اس حدیث کے سب معتبر ہیں اور وہ حدیث یہ ہے۔

---

(۱) تقریب التہذیب لابن حجر عسقلانی: ۳۱۳ [مطبع احمدی۔ دہلی ۱۲۷۱ھ] تحقیق: الشیخ محمد عوامہ، ص: ۴۶۷، رقم: ۵۷۲۵ [م: دار الکتاب۔ دیوبند: بلا سنہ]

(۲) نافع بن محمود بن الربیع ویقال اسم جدہ ربیعۃ، الانصاری، المدنی، نزیل بیت المقدس، مستور ص: ۳۷۱، تحقیق: ۵۵۸، رقم: ۷۰۸۲۔

عن عبادة بن الصامت أنه عليه السلام قال: لاتقرأوا بشي من القرآن ا ذا جهرت، إلا بأم القرآن[1].

یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہرگز نہ پڑھے کوئی تم میں سے، کوئی لفظ قرآن کا، وقت بلند پڑھنے کے میرے قرآن کو مگر سورۂ فاتحہ۔

کہا دارقطنی نے کہ کل راوی اس حدیث کے معتبر ہیں[2] اور کہا امام احمد بن حنبلؒ نے:

ما سمعنا أحدا من أهل الا سلام يقول ا ن الا مام ا ذا ج بالقراء ة لا تجزئ صلوة من لم يقرأ.[3] انتهى.

یعنی نہیں سنا ہم نے کسی اہل اسلام سے، کہ نماز جہریہ میں اگر مقتدی پیچھے امام کے، قرأت نہ پڑھے، تو نماز اس کی درست نہیں ہوتی۔

اگر کوئی سوال کرے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک مقتدی پر پڑھنا فاتحہ کا، پیچھے امام کے، نماز جہریہ میں بھی واجب ہے۔ یعنی نماز مقتدی کی بغیر پڑھنے سورہ فاتحہ کے نہیں ہوتی، پس قول امام احمد کا کہ "نہیں سنا ہم نے کسی اہل اسلام" الخ لائق استدلال اور اعتبار کے نہیں، تو جواب اس کا یہ ہے کہ قول قدیم امام شافعیؒ کا یہ ہے کہ نماز جہریہ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مقتدی پر لازم نہیں اور قول جدید امام شافعیؒ کا موافق بیان سائل کے ہے۔ شاید امام احمدؒ قول جدید سے مطلع نہ ہوئے ہوں، یا قول مذکور کے جواب میں یہ عبارت فرمائی ہو، یعنی یہ قول امام شافعی کا بالکل مخالف اہل اسلام کے ہے۔

[1] سنن أبي داؤد: كتابُ الصّلاة۔ باب من ترک القراء ة في صلاته [ص: ۱۱۹ ج ۱، ص: ۵۲۲ ج ۱، رقم: ۸۲۳]

[2] سنن الدارقطني: كتابُ الصّلاة ــ باب وجوب قراء ة أمّ الكتاب في الصّلاة خلف الا مام: ۱۲۱ ج ۱ [مطبع فاروقی۔ دہلی: ۱۳۱۰ھ] تحقیق مجدی بن منصور بن سید الشوری ص: ۳۱۷ ج ۱، رقم: ۱۲۰۳ [دار الا یمان پور: ۱۴۲۸ھ]

[3] مسند ا مام أحمد بن حنبل.

الغرض ثبوت ضعف حدیث عبادہؓ کا دلائل مذکور الصدر سے اظہر من الشمس ہے، پس قول دار قطنی اور خطابی کا، کہ اسناد حدیث عبادہ کی، حسن اور جید ہے، اور راوی اس کے معتبر ہیں، دعویٰ بلا دلیل ہے، یعنی باوجود مدلس اور مطعون ہونے محمد بن اسحاق کے، ساتھ رفض اور قدریت کے، جو راوی حدیث عبادہؓ کا ہے، حدیث کو حسن اور جید الاسناد ہونے سے مانع ہے، اور جو ابن الملقن نے دار قطنی اور خطابی کی طرف سے جواب دیا ہے، کہ روایت کرنا دار قطنی اور بیہقی اور ابن حبان کا اپنی اسانید میں، محمد بن اسحاق سے دور کرتا ہے شبہ تدلیس کو، محض بے اصل ہے۔ کیونکہ دار قطنی اور بیہقی اور ابن حبان نے یہ التزام نہیں کیا کہ بجز احادیث جید الاسناد کے، اپنی اسانید میں ہم نے داخل نہیں کیں، ورنہ احادیث ضعیف وسقیم اور منسوب بالوضع کو اپنی کتابوں میں نقل نہ کرتے۔ پس جید الاسناد ہونا حدیث کا، جو عبارت ہے عدالت رواۃ سے، مجرد روایت کرنے محدثین مذکورین کا بدون التزام مذکورہ کے، محدثین مذکورین کے نزدیک بھی محالات سے ہے، جیسا کہ نہیں پوشیدہ یہ امر ادنیٰ ذی ہوش پر، علاوہ اس کے جواب اعتراض طعن رفض اور قدریت کا، جو محمد بن اسحاق پر وارد ہے، ابن ملقن سے بالکل نہ بن آیا بلکہ قائل ہونا ابن ملقن کا۔ بعد جواب مذکور کے، کہ تدلیس راوی کی حدیث کو حسن نہیں ہونے دیتی، رد کرتا ہے جواب مذکور کو۔

پس جب کہ ظاہر ہوا حال حدیث عبادہؓ کا، اب خیال کرنا چاہیے، تعارض اس کا ساتھ معنی آیت اور احادیث مرفوعہ حقیقۃً یا حکماً اور مخالفت جمہور صحابہ خصوصاً خلفاء اربعہ وعبادلہ ثلثہ اور تابعین وغیرہ کے، کیونکہ حقانیوں کو طلب حق اور قبول کرنے حق سے چارہ نہیں، لیکن اس مقام میں جو، اب چند شبہات کی حاجت پڑی، وہ یہ ہیں کہ شاید سائل کے دل میں یہ خیال آوے کہ دوسری حدیث عبادہؓ کی، جو بغیر جملۂ استثنائیہ کے صحیح الاسناد ہے، اس سے بھی وجوب قراۃ کا، ہر شخص یعنی امام اور مقتدی پر ثابت ہوتا ہے، کیونکہ لفظ: لاصلاۃ

لـمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب. [1] جو اس حدیث میں موجود ہے، نیز ثبت اس امر کا ہے کہ ہر ایک امام اور مقتدی کو پڑھنا سورۂ فاتحہ کا فرض ہے، تو جواب اس کا یہ ہے کہ اس حدیث سے فرضیت قرأت سورۂ فاتحہ کی امام پر بھی ثابت نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس سے زیادتی، ساتھ خبر واحد کے، آیت پر لازم آتی ہے، اور یہ ہرگز درست نہیں۔ قال في الحسامي:

لم يجعل علماؤنا قراءة الفاتحة ركنا في الصّلاة بخبر الواحد، لأنه زيادة على النص [2] انتهى. یعنی نہیں کیا علماء حنفیہ نے قرأۃ فاتحہ کو فرض نماز میں، ساتھ خبر واحد کے، کیونکہ یہ زیادتی ہے اوپر آیت کے۔

---

(۱) سنن أبي داؤد: كتابُ الصّلاة۔ بابٌ من ترک القراءة في صلاته [ص: ۱۱۹ ج ۱، ص: ۵۲۱ ج ۱، رقم: ۸۱۸] جامع الترمذي: أبواب الصّلاة۔ باب ما جاء في ترک القراءة خلف الا مام ا ذا جهر بالقراءة ۴ ج ۱ تحقيق احمد محمد شاكر] ص: ۱۲۴ ج ۲، رقم: ۳۱۲ دار الكتب العلمية۔ بيروت: بلا سنه]

صحيح البخاري: كتابُ الصّلاة۔ بابُ وجوب القراءة الا مام والمأموم كلها [ص: ۳ مج ۱ ترقيم: شبير احمد قاسمي، مراد آباد: ۱۴۱۵ھ] تحقيق محمود النواوي وغيره ص: ۱۲۵ ج ۱، رقم: ۷۵۶ ـ ۱۴۰۴ھ]

صحيح مسلم: كتاب الصّلاة ـ بابُ وُجُوبِ قراءة الفاتحة في كل ركعة الخ [ص: ۱۶۹ ج ۱ [دار الا شاعة الا سلامية كلكته: بلا سنه] تحقيق محمد زهير بن ناصر الناصر، ص: ۹ ج ۲، رقم الحديث: ۳۹۴ [وزارة الأوقاف والشؤون الا سلامية۔ قطر: ۱۴۳۳ھ]

سنن النسائي: كتاب الا فتتاحِ ا يجاب قراءة فاتحة الكتاب في الصّلاة: ۱۰۵ ج ۱ [ياسر نديم اينڈ كمپني، ديوبند: بلا سنه] بتحقيق صالح بن عبد العزيز ص: ۱۴۷، رقم: ۹۱۱ [دار السّلام ـ الرياض: ۱۴۲۰ھ]

المصنف لابن أبي شيبة: كتاب الصّلاة ـ بابُ لا صلاة ا لا بفاتحة الكتاب ومن قال: شي معها ص: ۲۳۷ ج ۳، رقم: ۳۶۳۸ تحقيق. شيخ محمد عوامه [ادارة القرآن والعلوم الا سلامية كراتشي: باكستان: ۱۴۲۸ھ]

(۲) الحسامي: الأصل الثاني ـ السنّه بحث كون الزيادة على النصّ نسخاً ص: ۹ [أصح المطابع۔ لكهنو: ۱۳۱۷ھ]

یعنی آیت: فاقرؤا ماتیسر من القرآن [1] سے کسی سورت کی تخصیص نہیں نکلتی، بلکہ فرضیت قرأت کی علی الاطلاق اس آیت سے ثابت ہوتی ہے، یعنی ہر سورت واسطے نماز کے، کافی ہے، اور تائید دیتا ہے اس کو تعلیماً فرمانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا، اعرابی کو ثم اقرأ ماتیسر من القرآن یعنی باوجود ہونے مقام تعلیم اور بیان کے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرأت سورۂ فاتحہ کو بالتخصیص نہ فرمانا، آپ کا صاف دال ہے اوپر عدم فرضیت قرأت سورۂ فاتحہ کے۔

سوال: اگرچہ آیت مذکور سے فرضیت سورۂ فاتحہ کی ثابت نہیں ہوتی، لیکن وجوب مطلق قرأت کا امام اور مقتدی پر آیت مذکور سے صاف ثابت ہوتا ہے؟

جواب: اگر قرأت امام کی، قائم مقام قرأت مقتدی کے شرعاً نہ ہوتی تو ضرور مقتدی کو بھی پڑھنا قرآن کا لازم ہوتا، لیکن بمقتضائے حدیث: من کان له امام فقراءة الامام له قرأة قرأت امام کی کا قائم ہونا، مقام قرأت مقتدی کے شرعاً ثابت ہوا، اس سبب سے مقتدی کو، قرأت کی حاجت نہ رہی، اور یہ حدیث مروی ہے موافق شرط بخاری اور مسلم کے، جیسا کہ آگے آوے گی تحقیق اس کی۔

سوال: جیسا کہ سورۂ فاتحہ کی حدیث پر عمل کرنے سے، زیادتی ساتھ خبر واحد کے اوپر قرآن کے لازم آتی ہے، اسی طرح بموجب حدیث: قراءة الامام له قراءة کے مقتدی کو، قرأت خلف امام سے روکنے میں بھی زیادتی ساتھ خبر واحد کے، آیت: فاقرؤا ماتیسر من القرآن، پر لازم آتی ہے؟

جواب: زیادتی ساتھ خبر واحد کے قرآن پر، اس وقت ناجائز ہے کہ عمومیت اس آیت کی کسی آیت یا حدیث مشہور سے ساقط نہ ہوئی ہو، ورنہ زیادتی ساتھ خبر واحد کے

[1] سورۂ مزمل: الآیۃ: ۲۰

ممنوع نہیں اور آیت:فاقرؤا ماتیسر من القرآن اپنے عموم پر باقی نہیں رہی، کیونکہ جو شخص امام سے رکوع میں جا ملے، اس مقتدی پر اجماعاً قرأت فرض نہیں، جب اس اجماع سے آیت مذکور کو تخصیص حاصل ہو چکی، اب ساتھ حدیث مذکور کے بھی زیادتی درست ہے اور اگر غور سے خیال کیا جائے، تو مقتدی بموجب حدیث:قراءۃ الا مام له قراءۃ، تارک قرأت کا مطلقاً نہیں، جیسا کہ گزر چکی تحقیق اس کی عنقریب۔

کماأشار ا لیه العیني فا ن قلت: قوله صلی الله علیه وسلم "قراءۃ الا مام قراءۃ له معارض لقوله تعالیٰ فاقرؤا فلایجوز ترکه بخبر الواحد، قلت:جعل المقتدي قارئا بقراءۃ الا مام فلایلزم☆ الترک، أونقول: إنه خص المقتدي الذي أدرک الا مام الرکوع، فا نه لایجب علیه القراءۃ بالا جماع، فتجوز☆ الزیادۃ علیه حینئذ بخبر الواحد(۱). انتهی.

یعنی جواب تعارض حدیث قراءۃ الا مام له قراءۃ کا ساتھ آیت:"فاقرؤا" کے یہ ہے، کہ مقتدی بھی حکماً قاری ہے، یا یہ کہ آیت مذکورہ کی تعمیم میں، وہ مقتدی اجماعاً داخل نہیں، جو رکوع میں امام سے آملا ہو، بعد اس کے اس خبر واحد سے باقی مقتدیوں کی تخصیص کرنی بھی ممنوع نہ ہوئی۔

سوال:جب کہ جائز ہوئی تخصیص، آیت: فاقرؤا ماتیسر من القرآن کے ساتھ،

---

(۱)عمدۃ القاري: أبواب صفة الصلاۃ ـ بابُ وجوب القراءۃ للا مام والمأموم ص:۲۵۰ ج۴،تحقیق صدقي جمیل العطار[دارالفکر بیروت:۱۴۲۲ھ]

☆اصل میں "قراءۃ" نہیں، اور "معارض" کی جگہ "یعارض" اور "لقوله" کی جگہ "قوله" ہے۔

☆اصل میں "یلزمه" ہے۔

☆اصل میں "یجوز" ہے۔

خبر واحد یعنی حدیث: "قراءۃ الا مام لہ قراءۃ" پس کس سبب سے جائز نہیں تخصیص اس آیت کی، ساتھ دوسری خبر واحد یعنی حدیث: "لاصلوٰۃ لمن لم یقرأبہا" کے؟

جواب: آیت مذکورہ میں دو تعمیمیں مذکور ہیں، تعمیم اول یہ ہے کہ ہر نمازی پر پڑھنا فرض ہے، اس تعمیم پر لفظ: فاقرؤا کا دال ہے۔ تعمیم دوسری یہ ہے کہ قرآن میں سے کسی سورۃ خاص، مثل سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں، اس تعمیم پر لفظ: ماتیسر من القرآن کا دال ہے، چونکہ تخصیص تعمیم اول کے ساتھ اجماع مذکور کے ہو چکی تھی اس واسطے دوبارہ تخصیص اس کے ساتھ، حدیث: "قراءۃ الا مام لہ قراءۃ" کی کرنی جائز ہوئی بخلاف تعمیم دوئم کے یعنی اس کو اجماع یا حدیث مشہورہ سے کوئی تخصیص حاصل نہیں ہوئی، تا حدیث: لاصلاۃ لمن لم یقرأبہا سے جو خبر واحد ہے تخصیص جائز ہوتی، پس جب کہ فرضیت سورۂ فاتحہ امام پر بھی حدیث صحیح: لاصلوٰۃ لمن لم یقرأبہا سے بسبب تعمیم آیت: فاقرؤا ماتیسر من القرآن کے ثابت نہ ہوئی پس ثبوت فرضیت سورۂ فاتحہ کی مقتدی پر پیچھے امام کے، ساتھ ایسی حدیث ضعیف الاسناد جو راوی اس کا مدلس و مطعون ہو ساتھ رفض اور قدریت کے، باوجود تعارض آیت: فاقرؤا ماتیسر من القرآن اور آیت: وا ذا قرئ القرآن فاستمعوا اور حدیث: قراءۃ الا مام لہ قراءۃ کے محالات سے ہے، اور حدیث: لاصلوٰۃ ا لا بفاتحۃ الکتاب بھی خبر واحد ہے، پس اس حدیث سے بھی زیادتی قرآن پر درست نہیں، لیکن چونکہ حتی الامکان عمل اوپر خبر واحد کے، کرنا واجب ہے، اس واسطے علماء حنفیہ نے مطلق قرأت کو امام اور منفرد پر، بموجب آیت: فاقرؤا کے فرض لکھا اور سورۂ فاتحہ کو امام اور منفرد پر واجب۔

سوال: حدیث: لاصلاۃ ا لا بفاتحۃ الکتاب حدیث مشہورہ سے ہے، کیونکہ سب اہل علم کے نزدیک یہ حدیث مقبول ہے، اور ساتھ حدیث مشہور کے، زیادتی آیت پر درست ہے؟

جواب: اس حدیث کا مشہور ہونا غیر مسلم ہے، کیونکہ حدیث مشہور وہ ہے جو تابعین کے زمانہ میں مقبول ہوا اور اس مسئلہ میں تابعین کا مختلف ہونا، منافی ہے مقبول ہونے اس کے کو، مابین تابعین کے، اور اگر تسلیم کیا جائے مشہور ہونا اس حدیث کا، تو جواب اس کا یہ ہے کہ ہر حدیث مشہور سے زیادتی قرآن پر درست نہیں، بلکہ جو حدیث مشہور محکم ہو، یعنی معنی اس کے قطعی ہوں، یعنی محتمل کسی اور تاویل کے نہ ہو اور یہ حدیث اس قبیل سے نہیں، کیونکہ معنی اس حدیث کے یوں بھی ہوسکتے ہیں، یعنی نہیں ہوتی نماز کامل بجز پڑھنے فاتحہ کے۔

جیسا کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے: **لاصلوة لجار المسجد اِلافي المسجد**(۱) یعنی نہیں ہوتی کامل نماز، ہمسایہ مسجد کی بغیر مسجد کے۔

اور ایسے قبیل سے ہے حدیث: **لاا یمان لمن لاأمانة له☆**(۲) یعنی نہیں ایماندار کامل، خیانت کرنیوالا، بلکہ اس احتمال کو علماء نے بہت پسند کیا ہے۔ یہی مراد ہے عینی کی اس کلام سے:

وفي العيني: والحمل على نفي الكمال أولى، بل يتعين لأن نفي الإجزاء ☆ يستلزم نفي الكمال فيكون فيه نفي شيئين،

---

(۱) المصنف لابن أبي شيبة: كتابُ الصّلاة ـ بابُ مَن قال: اذا سمعَ المنادي فليجب [ص:۱۹۶ ج۳، رقم:۳۳۸۸.

المصنف لِعَبد الرزّاق: كِتابُ الصّلاة ـ بابُ من سمع النّداء. [ص:۴۹۷ ج۱، رقم:۱۹۱۵ [المَجلِسُ العلمي ـ أفريقه: ۱۳۹۰ ھ]تحقيق الشيخ حبيب الرحمن محدث الاعظمي.

(۲) المُسند لِلامام أحمد ابن حَنبَل: ص:۴۹۹ ج۱۰ برقم: ۱۲۵۰۵ [دار الحديث ـ القاهره:۱۴۱۶ ھ]المعجم الكبير للطبراني ص:۱۶۰، ج:۵، رقم:۱۰۴۰ [دار الكتب العلمية ـ بيروت:۱۴۲۸ ھ]

☆ اصل میں "له" نہیں ہے۔ ☆ اصل میں "الأصل" ہے۔

فتكثر المخالفة فيتعين نفي الكمال☆ فا ن قلت: هذا الحديث مشهور فان العلماء تلقته بالقبول فتجوز☆ الزيادة بمثله. قلت☆ لانسلم أنه مشهور، لأن المشهور ماتلقاه التابعون بالقبول،وقد اختلف التابعون في هذه المسئلة. ولئن سلمنا أنّه مشهور فالزيادة بالخبر المشهور ا نما تجوّز☆ ذاكان محكما، أما اذا كان محتملا فلا،وهذا الحديث /محتمل لأن مثله يستعمل لنفي الجواز،ويستعمل لنفي الفضيلة لقوله صلى اللّٰه عليه وسلم لاصلوة لجار المسجد إلافي المسجد☆ والمراد نفي الفضيلة ،كذا هو، ويؤكّد☆ هذاالتأويل قوله تعالىٰ "إنهم لاايمان لهم"(۱) معناه انه لاايمان لهم موثوقاً☆ بها، ولم ينف وجود الايمان منهم رأساً، لأنه☆ قد قال:وان نكثوا أيمانهم من بعدعهدهم"(۲) وعقب ذلك أيضابقوله: "ألاتقاتلون قوما نكثوا أيمانهم" (۳) فثبت☆ أنه لم يرد بقوله"إنهم لاأيمان

[۲/ب]

(۱)سورةالتوبة:الآية:۱۲

(۲-۳)سورةالتوبة:الآية:۱۳

☆اصل میں "فيتعين نفي الكمال"نہیں ہے۔

☆اصل میں "فيجوز" ہے۔

☆اصل میں "قلنا" ہے۔

☆اصل میں "يجوز" ہے۔

☆اصل میں "ا لا في الجار المسجد" ہے۔

☆اصل میں "يؤيد" ہے۔

☆اصل میں "موثوق" ہے۔

☆اصل میں "تعالیٰ" اضافہ ہے۔

☆اصل میں "فا نه يدلّ أنّه تعالىٰ لم يرد نفي أصل الا يمان بل نفي ما ذكرنا وهذايدلّ وعلى ان لا تطلق لنفي الفضيلة دون الأصل" ہے

لهم "نفي الايمان أصلا، وإنما أراد به ماذكرناه، وهذا يدل على ا طلاق لفظة "والمراد بها نفي الفضيلة دون الأصل.[1] انتهىٰ ملخصاً.

یعنی آیات اوراحادیث صاف مؤید ہیں،اس امر کی کہ مرادحدیث: لاصلوة الا بفاتحة الكتاب سے یہ ہے، کہ نماز بدون سورۂ فاتحہ کے کامل نہیں ہوتی،اور یہ مرادنہیں کہ بالکل نہیں ہوتی،اسی واسطے علماءحنفیہ نے امام اوراکیلے پر پڑھنا،سورۂ فاتحہ کا واجب سمجھا، اورقطع نظرحدیث: من كان له ا مام الخ مقتدی ماموربے،ساتھ چپکے رہنے کے كما قال الله تعالىٰ: "وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون"[2] اورروایت کی ہے مسلم نے زید بن ثابت انصاری سے،جوکاتب وحی اورصحابۂ کبار سے ہیں،قال: لاقراءة مع الإمام في شي یعنی نہیں قرأت،ساتھ امام کے بالکل اوریہی ہےقول حضرت علیؓ اورابن مسعودؓ اوربہت صحابہؓ کا اوریہ دلائل کافی ہیں،واسطے جواب دلائل شافعیہ وغیرہ کے:وسيجئ مايؤيدها من الأخبار والآثار وأقوال جمهور الصحابة إنشاء الله تعالى. یعنی آگے بیان کیاجاوے گا باقی احادیث اورآثاراوراقوال جمہورصحابہ کو۔انشاءاللہ تعالیٰ۔

ومن ثم قال في الهداية: لكن حظ المقتدي الا نصات[3] والاستماع لقوله تعالىٰ: "وا ذاقرئ القرآن"

---

(۱)عمدةالقاري:أبواب صفة الصلاة ـ باب وجوب القراءة للا مام والمأموم الخ [ص:۳۴۷ج۴،رقم:۷۵۶]

(۲)سورةالتوبه:الآية:۲۰۱

(۳)الهداية: كتاب الصلاة فصل في القراءة ص:۱۰۱ج۱[مطبع مصطفائي ـدهلي:۱۲۸۹هـ]

الآية. قال ابن الهمام: والا نصات يخصّ الجهرية، لأنه عدم الكلام، لكن قيل: إنه☆ السكوت للاستماع، لامطلقاً، وحاصل الاستدلال بالآية أن المطلوب أمران: الاستماع والسكوت، فيعمل بكل منهما، والأول يخصّ الجهرية، والثاني لا،فيجري علىٰ إطلاقه، فيجب السّكوت عند القراءة مطلقاً وهذا☆ بناء على أخرج البيهقي عن الا مام أحمد قال: ☆ اجمع الناس على أن هذه الآية[وردت] في الصلوة. انتهى ملخصاً.(۱)

یعنی اسی واسطے کہا ہے صاحب ہدایہ نے، کہ حصہ مقتدی کا چپکے رہنا اور سماع کرنا ہے، اور کہا ابن ہمام نے فتح القدیر میں کہ چپکے رہنا خاص نہیں ساتھ نماز جہریہ کے، کیونکہ معنی انصات کے نہ کرنا کلام کا ہے، اور قول بعض کا کے، چپکے رہنا واسطے سماع قرآن کے ہے، پس نماز سریہ میں چپکے رہنا آیت سے ثابت نہ ہوا، تو جواب اس کا یہ ہے کہ آیت مشتمل ہے اوپر دو حکموں کے، اول سماع کرنا قرآن کا، دوم چپکے رہنا حکم اول اگرچہ ظاہراً خاص معلوم ہوتا ہے ساتھ نماز جہریہ کے اور حکم دوم کو کچھ خصوصیت ساتھ نماز جہریہ کے نہیں، پس مقتدی پر بموجب حکم دوسرے کے، چپکے رہنا ہر نماز میں لازم ہوا، کیونکہ نزول

(۱)فتح القدير على الهداية لا بن الهمام: كتاب الصلاةفصل في القراءة:ص: ۳۴۲ ج ۱ [دار الفكر- بيروت :لطبعة الثانية]

☆اصل میں "ا یہ۔

☆اصل میں "قال "نہیں ہے۔

اس آیت کا بموجب اجماع اہل اسلام کے، خاص نماز کے باب میں ہوا ہے، جیسا کہ روایت کیا، اس کو امام احمدؒ سے بیہقی نے۔

اگر بالفرض بموجب حدیث: لاصلاة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب کے فرضیت سورۂ فاتحہ کی تسلیم کی جائے، تو بھی فرضیت اس کی مقتدی پر لازم نہیں آتی، کیونکہ حدیث: قراءة الا مام له قراءة حدیث مذکور کو اتفاقاً تخصیص دے سکتی ہے، کیونکہ دونوں حدیثیں خبر واحد ہونے میں برابر ہیں اور حدیث: قراءة الا مام له قراءة اسانید معتبرہ سے ثابت ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے بیان اس کا، اور عمل کیا ہے اوپر ترک قرأت کے بہت صحابہ نے، اور روایت کیا گیا ہے، منع کرنا اسّی (۸۰) صحابہ کبار کا قرأت خلف الامام سے، کما سیجیٔ، یہاں تک کہ دعویٰ کیا صاحب ہدایہ نے اوپر اس کے اجماع صحابہ کا، اور منع کیا خلفاء اربعہؓ نے۔ یہاں تک کہ کہا بعضے نے، کہ کاش کہ پتھر ہوں پڑھنے والے کے منھ میں، اور بعض نے انگارہ آگ کا فرمایا ہے، اور بہت سے صحابہ نے یہ حکم دیا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی، اور احادیث مرفوعہ بقید سورۂ فاتحہ بھی اس باب میں پایۂ ثبوت کو پہونچی ہیں، چنانچہ کچھ ان میں سے بیان کی جاتی ہیں۔ فأقول وباللّٰه التّوفیق

قال علي القاري في شرحه لموطأ محمد، ناقلا عن شرح النقاية للشمني: روى سفيان الثوري وشعبة وا سرائيل بن يونس وشريك وأبو الأحوص وسفيان بن عيينة وجرير بن عبدالحميد/ عن موسى بن أبي عائشة عن عبداللّٰه بن شداد عن النبي صلى الله عليه وسلم مرسلاً من كان له ا مام فقراءة الا مام له قراءة وروى أحمد في مسنده عن أبي الزبير عن جابر مرفوعاً انتهى.

قال العيني في شرحه للبخاري في بيان هذا الحديث: هذا الحديث رواه جماعة من الصحابة وهم جابر بن عبدالله وابن عمر وأبو سعيد الخدري وأبو هريرة وابن عباس وأنس بن مالک رضي اللّٰه عنهم...،ومع هذا روي منع القراءة خلف الامام عن ثمانين الصحابة الكبار منهم: المرتضى والعبادلة الثلثة☆ وأساميهم عند أهل الحديث فكان اتفاقهم بمنزلة الاجماع(1) فمن هذا قال: صاحب الهداية على ترك القراءة خلف الامام اجماع الصحابة، فسماه اجماعاً باعتبار اتفاق الأكثر، [ومثل هذا يسمّى اجماعا عندنا] وأيضاً في العيني، وذكر الشيخ الامام عبدالله بن يعقوب الحارثي السنموني في كتاب كشف الأسرار: عن عبدالله بن زيد بن أسلم عن أبيه قال: كان عشرة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهون عن القراءة خلف الامام أشد النهي: أبوبكر الصديق، وعمر الفاروق،وعثمان بن عفان، وعلى بن أبي طالب، وعبد الرحمن بن عوف، وسعدبن أبي وقاص، وعبدالله بن

---

(1)عمدة القاري: كتاب مواقيت الصلاة۔باب وجوب القراءة للامام والمأموم في الصلاة كلها في الحضر والسفر الخ [ص: ۲۸۳۹ج۳رقم:۷۵۶]

☆اصل میں "نفر" اضافہ ہے۔

☆اصل میں "وأساميهم عند أهل الحديث"نہیں ہے۔

مسعود، وزيد بن ثابت، وعبدالله بن عمر، وعبدالله بن عباس رضي الله عنهم.(۱)

وأيضاً أورد هذه الرواية الشيخ العابد السندي مولداً، والمدني مهاجراً في شرح المسند، المنسوب الى أبي حنيفةؒ، برواية الحصفكي، وقال بعد هذه الرواية، فنقول: لما ثبت نهي العشرة المذكورة ولم يثبت رد أحدهم عليهم عند توافر الصحابة، كان اجماعاً(۲)

یعنی لکھا ہے ملا علی قاری نے شرح موطا میں، کہ روایت کیا ہے حدیث: قراءۃ الامام له قراءۃ کو مرسلاً سفیان ثوری اور شعبہ اور اسرائیل اور شریک اور ابوالاحوص اور سفیان بن عیینہ اور جریر بن عبدالحمید نے اور مرفوعاً روایت کیا ہے اس کو امام احمدؒ نے اپنی مسند میں، اور کہا عینی نے شرح بخاری میں، روایت کیا ہے اس حدیث کو بہت صحابہؓ نے، مثل جابرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور ابو سعیدؓ اور ابوہریرہؓ اور ابن عباسؓ اور انس بن مالکؓ نے اور منقول ہے منع کرنا قرأت خلفِ امام سے اسّی (۸۰) صحابہ کبار مثل حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ کا، پس ہوا اتفاق ان کا بمنزلہ اجماع کے، اسی واسطے کہا ہے ہدایہ میں، کہ منع قرأت خلف پر اجماع ہے صحابہ کا اور لکھا ہے کتاب کشف الاسرار میں کہ سخت منع کرتے تھے قرأۃ خلف امام سے دس صحابہ کبار، یعنی خلفاء اربعہ

(۱) عمدة القاري. كتاب مواقيت الصلوة. باب وجوب القراءة للامام والماموم في الصلوة الخ [ص: ۲۴۹، جلد: ۴، رقم الحديث: ۷۵۶]

(۲) شرح المسند للامام الأعظم: كتاب الصلوة. باب كفاية قراءة الامام للماموم ص: ۲۹ حاشیہ: ۷. [مرکز علم وادب۔ کراچی: بلا سنہ]

اورعبدالرحمٰن اور سعد اور عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم۔

اور کہا شیخ عابد سندھی نے، جو مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے جا رہے تھے، شرح مسند ابی حنیفہ میں، بعد روایت مذکورہ کے، ہر گاہ کہ ثابت ہوا منع کرنا دس صحابہ کبارؓ کا، اور نہیں ثابت رد کرنا کسی صحابی کا قول ان کے کو، باوجود ہونے بہت صحابہ کے۔ پس ہوا یہ اجماع سکوتی اوپر منع قرأت خلفِ امام کے۔

وروی عبدالرزاق في مصنفه، أخبرني موسى بن عقبة أنّ رسول اللّٰه وأبابكر وعمر وعثمان كانوا ينهون عن القراءة خلف الامام.(۱)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء ثلثہؓ منع کرتے تھے، قرأت خلف امام سے۔

وعن داوٗد بن قيس عن محمدبن بجادعن موسى بن سعد بن أبي وقاص قال: ذكر أن سعد بن أبي وقاص قال: وددت أن الذي يقرأ خلف الامام في فيه جمرة.(۲)☆

یعنی فرمایا سعدؓ نے دوست رکھتا ہوں میں پتھر کو، مقتدی کے منھ میں، پڑھنے قرآن سے پیچھے امام کے، روایت کیا ان دونوں حدیثوں کو عبدالرزاق نے۔

أخبرناداوٗد بن قيس الفرّاء المدني، أخبرني بعض ولد سعد

(۱) المصنف لعبد الرزاق: كتابُ الصّلاة۔ باب القراءة خلف الامام [ص ۱۳۹ ج ۱، رقم: ۲۸۱۰]

(۲) المصنف لعبد الرزاق: كتابُ الصّلاة۔ باب القراءة خلف الامام [ص ۱۳۸ ج ۲، رقم: ۲۸۰۶] قدرے فرق کے ساتھ۔

☆ اصل میں "حجرا" ہے۔ مگر اصل روایت میں جمرة اس لئے اس کا ترجمہ آگ بہتر معلوم ہوتا ہے۔

بن أبي وقاص ،أنه ذكر له انّ سعداً قال :وددت أن الذي يقرأ خلف الا مام في فيه جمرة.[1]

یعنی فرمایا سعدؓ نے دوست رکھتا ہوں میں انگارے آگ کو، اس شخص کے منھ میں، جو پڑھے پیچھے امام کے۔

قال محمد: أخبرنا بكير بن عامر، حدثنا ا براهيم النخعي عن علقمة بن قيس قال: لأن أعض على جمرة أحبّ اليّ من أن أقرأ خلف الا مام.[2]

یعنی فرمایا علقمہؓ نے کہ البتہ دانت مارنا میرا انگارے پر دوست زیادہ ہے طرف میرے، اس سے جو پڑھوں میں پیچھے امام کے۔ روایت کیا ان دونوں حدیثوں کو امام محمدؒ نے موطا میں۔

وفي الكفاية قال:من قرأ خلف الا مام، يملأ في فيه جمرة،وقال علي: من قرأ خلف الا مام ،فقد أخطأ الفطرة.[3]

[کفایہ] یعنی فرمایا حضرت علیؓ نے /جس شخص نے پڑھا پیچھے امام کے، تحقیق مخالفت کی اس نے دین کی۔ نقل کیا اس کو کفایہ میں۔

وفي العيني: قال ابن مسعود ملئ فوه تراباً[4] ورواه ابن أبي شيبة

(۱)الموطألالا مام محمد: باب القراءة خلف الا مام في الصّلاة[ص: ۱۰۱ [نقل مطبع یوسفی لکھنو:۱۳۱۵ھ].

(۲)الموطألالا مام محمد: باب القراءة خلف الا مام في الصّلاة[ص: ۱۰۰]

(۳)الكفاية في شرح الهداية: كتابُ الصّلاة ـ فصل في القراءة[ص: ۲۳۹ ج ۱]

(۴)عمدة القاري:أبواب صفة الصّلاة ـ باب وجوب القراءة للا مام والمأموم الخ [ص: ۵۰ ۳ ج ۴،رقم: ۷۵۶]

في مصنفه عن سعد قال: وددت أنّ الذي يقرأ خلف الا مام في فيه جمرة[1] ا نتهى

یعنی بیہقی میں منقول ہے عبداللہ بن مسعودؓ سے کہ پُر کیا جائے منہ پڑھنے والے کا خاک سے۔ اور روایت کیا ہے ابن ابی شیبہ نے مصنف میں کہ فرمایا عمرؓ نے: دوست رکھتا ہوں میں پتھر کو اس شخص کے منہ میں، جو پڑھے امام کے پیچھے:

وأخرج الطحاوي با سناده عن علي رضي اللّٰه عنه أنه قال: من قرأ خلف الا مام، فليس على الفطرة[2]، أراد أنه ليس على شرائط الا سلام، وقيل: ليس على السنّة انتهى[3]۔

یعنی فرمایا حضرت علیؓ نے/جس شخص نے پڑھا پیچھے امام کے، پس نہیں وہ شخص اوپر اسلام کے، یعنی شرائط اسلام یا سنت پر نہیں۔ روایت کیا اس کو امام طحاوی نے

وأخرج ابن أبي شيبة في مصنّفه عن أبي ليلىٰ عن علي: من قرأ خلف الا مام فقد أخطأ الفطرة[4]۔

یعنی فرمایا علیؓ نے: امام کے پیچھے قرآن پڑھنے والا دین پر نہیں۔ روایت

(۱) المصنف لابن ابی شیبۃ: کتاب الصلاۃ، باب من کرہ القراءۃ خلف الامام، [ص:۲۷۸، ج:۳،رقم:۳۸۰۳]

(۲) شرح معاني الآثار: كتاب الصّلاة۔ باب القراءة خلف الا مام ص:۱۴۳ [رحمانیہ لاهور: بلا سنه]

(۳) نخب الأفكار: كتاب الصّلاة۔ باب القراءة خلف الا مام [ص:۴۱۲ ج:۵، [دار المنهاج جده: ۱۴۳۳ هـ [تحقيق السيد ارشد المدني الاستاذ بدار العلوم ديو بند.

(۴) المصنف لا بن أبي شيبة كتاب الصّلاة۔ باب من كره القراءة خلف الا مام [ص:۲۷۸ ج۳،رقم: ۳۸۰۲]

کیااس کوابن ابی شیبہ نے کتاب اپنی میں، جواس کا نام ''مصنف'' ہے۔

وأخرجه (۱) الدارقطني كذلك من طرق وأخرج عبدالرزاق في مصنفه: عن داوٗد بن قيس عن محمد بن عجلان قال قال علي: من قرأ مع الا مام فليس على الفطرة (۲) انتهى.

یعنی فرمایا علیؓ نے جس نے پڑھا ساتھ امام کے نہیں ہے وہ دین پر۔ روایت کیااس کوعبدالرزاق نے۔

وروى ابن أبي شيبة في مصنفه: حدثنا وكيع، عن حسن بن صالح، عن عبدالملک بن أبى سليمان، عن أكيل عن ا براهيم قال: الذي يقرأ خلف الا مام فُسَاقٌ، (۳) انتهى.

یعنی منقول ہے ابراہیمؒ سے پڑھنے والا پیچھے امام کے، فاسق ہے۔ روایت کیااس کوابن ابی شیبہ نے۔

وفي الكفاية: وعن سعد بن أبي وقاص وزيد بن ثابتؓ: من قرأ خلف الا مام فلاصلوٰة له (۴) وقال شمس الأئمة السرخسي: تفسد صلوٰته في قول علة من الصحابة، كذا ذكره علي القاري، (۵)

(۱) سنن الدارقطني: كتاب الصلاة ـ باب ذكر قوله ﷺ من كان له امام فقراءة الا مام له قراءة ص:۱۲۶ ج ا [مطبع فاروقی ـ دہلی:۱۳۱۰ھ] [ص: ۳۲۵، ج:۱، رقم:۱۲۴۱]

(۲) المصنف لعبد الرزاق: كتابُ الصّلاة، باب القراءة خلف الا مام [ص ۱۳۸ ج ۲. رقم: ۲۸۰۶]

(۳) المصنف لا بن أبي شيبكتاب الصّلاة ـ باب من كره القراءة خلف الا مام [ص: ۲۸۲ ج ۳، رقم: ۳۸۲۱]

(۴) الكفاية في شرح الهداية: كتاب الصلاة ـ فصل في القراءة [ص: ۲۴۹ ج ۱]

(۵) المبسوط: ؟ ملاحظہ ہو: فتح القدير لابن الهمام ص: ۳۴۱، ج: ۱

وأيضاً يؤيده ما قال محمد في الموطأ: أخبرنا داؤد بن قيس الفراء، أخبرنا عمرو بن محمدبن زيد، عن موسیٰ بن سعد بن زيد بن ثابت ☆يحدثه عن جده، (أعني زيد بن ثابت الأنصاری) أنه قال: من قرأ خلف الامام فلاصلوٰة له[1] انتهیٰ.

[کفایہ]

یعنی کفایہ میں نقل کیا ہے سعدؓ اور زیدؓ سے، کہ نہیں ہوتی نماز پڑھنے والے کی، پیچھے امام کے، اور کہا سرخسیؒ نے کہ فاسد ہوجاتی ہے نماز ایسے شخص کی، بیچ قول اکثر صحابہ کے، اور ایسا ہی لکھا ہے ملاعلی قاری نے، اور تائید دیتا ہے اس کو، روایت کرنا امام محمدؒ کا زید بن ثابت انصاریؓ سے، کہ نہیں ہوتی نماز اس شخص کی، جو پڑھے پیچھے امام کے۔

وأخرج الطحاوي في معاني الآثار: عن حماد بن سلمة عن أبي جمرة قال: قلت لابن عباس: أقرأ والإمام بين يدي؟ فقال لا: انتهی.[2]

یعنی فرمایا ابن عباسؓ نے، بیچ جواب ابی جمرہ کے، کہ نہ پڑھا کر پیچھے امام کے۔ روایت کیا اس کو امام طحاوی نے۔

وروی ابن أبي شيبة في مصنفه، عن زيدبن ثابت قال: لا تقرأ خلف الامام ان جهر، ولا ان خافت[3]

(۱) الموطا للامام محمدؒ: باب القراءة خلف الامام [ص: ۱۰۲]

(۲) شرح معاني الآثار: باب القراءة خلف الامام [ص: ۱۴۴]

(۳) المصنف لابن أبي شيبة: كتاب الصلاة ۔ باب من كره القراءة خلف الامام [ص: ۲۷۹ ج۳ برقم ۳۸۰۸]

☆ اصل میں "بن ثابت" نہیں ہے۔

یعنی فرمایا جابرؓ نے کہ نہ پڑھ پیچھے امام کے نماز جہریہ اور نہ سریہ میں۔ روایت کیا اس کو ابن ابی شیبہ نے۔

وفي النسائي: حدثنا هارون بن عبدالله، حدثنا زيد بن الحباب ،حدثنا معاوية بن صالح ،حدثنا أبوالزاهرية، حدثني كثيربن مرّة الحضرمي عن أبي الدرداء، سمعه يقول: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم: أفي كلّ صلاة قراء ة ؟ قال: نعم، قال رجل من الأنصار: وجبت هذه، فالتفت ا لىّ، وكنت أقرب القوم منه، فقال: ماأرى الا مام إذا أمّ القوم ا لا قد كفاهم، (۱) وفي موطأ محمد، أخبرنا عبيدالله بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب عن نافع، عن ابن عمر قال: من صلّى خلف الا مام كفته قراء ته، أخبرنا عبدالرحمن بن عبدالله المسعودي،أخبرني أنس بن سيرين عن ابن عمر، أنه سئل عن القراء ة خلف الا مام، قال: تكفيك☆ قراء ة الا مام، حدثنا الشيخ أبوعلي قال: حدثنا محمود بن محمدالمروزي قال:حدثنا سهل بن العباس☆ الترمذي، أخبرنا ا سماعيل بن علية عن أيوب، عن ابن الزبير، عن جابر بن عبدالله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من

(۱) سنن النسائي: كتاب الا فتتاح ۔ باب ا كتفاء الماموم بقراء ة الا مام [ص:۷۰۱ ج ۱، ص ۱۴۸، رقم:۹۲۳]

☆ اصل میں "یکفیک" ہے۔

☆ اصل میں بغیر "ل" کے ہے۔

صلی خلف الا   مام فا   ن قراء ۃ الا   مام لہ قرائۃ[1]۔

یعنی کہا حضرمی نے کہ سنا میں نے ابی الدرداء سے، کہ پوچھے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، آیا ہر نماز میں قرأت ہے؟ فرمایا: ہاں! کہا ایک انصاری نے: واجب ہوئی پھر میری طرف التفات کر کے کہا ابوالدرداء نے: یعنی انصاری کی بات سن کر، کہ نہیں گمان کرتا ہوں میں امام کو، اگر امامت کرا دے قوم کی، مگر کفایت کرے گا ان کو، یعنی مقتدیوں کو، پھر قرأت کی حاجت نہیں۔ روایت کیا اس کو نسائی نے۔ اور کہا ابن عمرؓ نے: جس نے پڑھی نماز پیچھے امام کے، کفایت کرتی ہے اس کو قرأت امام کی، اور پوچھے گئے ابن عمر قرأت خلف الامام سے، فرمایا: کفایت کرتی ہے تجھ کو قرأت امام کی، اور فرمایا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے، جس نے نماز پڑھی پیچھے امام کے پس تحقیق قرأت امام کی واسطے اس کے، قرأت ہے۔ روایت کیا ان کو امام محمدؒ نے موطا میں۔

قال علي القاري شارح الموطأ: الحديث رواه أحمد وابن ماجة عن جابر، ولفظه "فمن كان له ا   مام فقراء ۃ الا   مام له قراءۃ"[2]

یعنی حدیث قراء ۃ الا   مام لہ قرائۃ کو امام احمدؒ اور ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

قال محمد: أخبرنا سفيان ابن عيينة عن منصور بن المعتمر عن

---

(۱) الموطأ للا   مام محمدؒ: باب القراءۃ في الصلاۃ خلف الا   مام [ص: ۹۹۔۹۸]

(۲) حاشية لملا علي القاري علي الموطأ للا   مام محمد: باب القراءۃ في الصلاۃ خلف الا   مام [ص: ۱۰۰]

أبي وائل قال: سئل عبدالله بن مسعود عن القراءة خلف الا مام، قال: أنصت للقرآن، فان في الصلوة شغلاً☆ سيكفيک ذاک الا مام، أخبرنا ا سرائيل بن يونس، حدثنا منصور عن ا براهيم قال: إن أول من قرأ خلف الا مام رجل اتهم، انتهیٰ.

قال القاري في شرحه: أي أنتسب☆ ا لى بدعة أو سمعة(۱) انتهیٰ،

ويؤيده ماروى ابن أبي شيبه في مصنفه حدثنا الثقفي عن أيوب، عن محمد قال: لا أعلم القراءة خلف الا مام من السنة. (۲) انتهیٰ.

یعنی فرمایا عبداللہ بن مسعود نے قرأت خلف امام کے جواب میں، مقتدی کو درست نہیں، بلکہ قرأت امام کی کافی ہے، اور فرمایا ابراہیم نے: جس نے قرأت خلف امام کو پہلے رواج دیا، اس کو اہل اسلام نے بدعتی اور ریا کار کہا، یہ موطا اور شرح اس کی میں مذکور ہے، اور کہا امام محمدؒ نے، کہ نہیں جانتا ہوں میں قرأت خلف امام کو سنت سے۔ روایت کیا اس کو ابن ابی شیبہ نے۔

قال محمد في الآثار: أخبرنا أبو حنيفة، حدثنا أبو الحسن موسى بن أبي عائشة عن عبدالله بن شداد بن الهاد، عن جابر بن عبدالله الأنصاری قال: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجل خلفه يقرأ فجعل رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ينهاه عن القراءة في الصلوة، فقال: أتنهاني

(۱) الموطا للامام محمد مع شرحه: بابُ القراءة في الصّلاة خلف الا مام [ص: ۱۰۰]

(۲) المصنف لابن أبي شيبة: كتابُ الصّلاة ۔ باب من كره القراءة خلف الا مام [ص: ۲۸، ج ۳، رقم: ۳۸۱۵]

☆ اصل میں "لشغلاً" ہے۔ ☆ اصل میں "انسب" ہے۔

عن القرائة خلف نبي اللّٰه صلى الله عليه وسلم، فتنازعا، حتى ذكر ذلک للنبيصلى اللّٰه عليه وسلم، فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: من صلى خلف إمام، فا ن قر الاة مام له قراء ة، قال محمد: وبه نأخذ وهو قول أبي حنيفة .انتهى.(۱)

ورجال هذه الرواية كلهم ثقاة، غيرمجروح أحدمنهم.

وأيضا أخرج هذاالحديث، برواية أبي حنيفة في المسند مرفوعاً.

وقال شارحه، أبوالفيض محمدمرتضى الحسيني: هكذا رواه محمد في الآثار، والمازني، وأبوالمظفر وابن خسرو وأبوبكر بن عبدالباقي، وزفر وطلحة .انتهى.(۲)

ورواه محمد في الموطا هذا الا سناد الصحيح مختصراً بغير القصة.(۳)

وروى ابن أبي شيبة في مصنفه، حدثنا مالک ابن ا سماعيل عن حسن بن صالح، عن أبي الزبير، عن جابر، عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: كل من كان له ا مام ،فقراء ة له قراء ة(۴) انتهى.

---

(۱)كتابُ الآثار: كتابُ الصّلاة ـ بابُ القراء ة خلف الا مام وتلقينه [ص: ۹۹–۱۲۸ ج ۱] تحقيق: أ ـ د، أحمد عيسىٰ المعصراوي ص:۱۵۳، ج:۲ برقم:۸۲] مكتبه دارالايمان ـسهارنپور: ۲۰۰۷ء]

(۲)شرح المسند لابي الفيض

(۳)موطا ا مام محمدؒ: بابُ القراء ة في الصّلاة خلف الا مام [ص:۹۸]

(۴)المصنف لا بن أبي شيبة: كتابُ الصّلاةباب من كره القراء ة خلف الا مام [ص: ۲۸۲ ج۳، رقم: ۳۸۲۳]

فالعجب ممن يقول: إنّ هذا الحديث لم يثبت مرفوعاً، ولهذا ردّ هذا القول ابن همام في شرح الهداية[1].

یعنی کہا جابرؓ نے کہ نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ایک مقتدی قرأت پڑھ رہا تھا، پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے، پس منع کیا اس کو ایک صحابی نے، پس کہا اس شخص نے بعد نماز کے: کیوں منع کیا تو نے قرأت پڑھنے سے، پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے؟ جب پہونچی یہ گفتگو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک، فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے: مقتدی کو قرأت امام کی، کفایت کرتی ہے۔

روایت کیا اس کو امام محمد نے آثار میں، اور راوی اس حدیث کے بہت معتبر ہیں، اور مروی ہے یہ حدیث مسند میں ساتھ روایت امام اعظمؒ کے، اور کہا شارح نے: اسی طرح روایت کیا اس کو محمدؒ نے آثار میں، اور مازنی اور ابوالمظفر اور ابن خسرو، اور ابوبکر بن عبدالباقی وزفر وطلحہ نے، اور روایت کیا اس کو ابن ابی شیبہ نے۔

پس تعجب ہے اس شخص سے جو ایسی حدیث صحیح الاسناد کو ضعیف خیال کرے، اسی واسطے رد کیا اس کو ابن ہمام نے، فتح القدیر میں:

حيث قال: وقولهم أن الحفاظ الذين عدوّهم لم يرفعوه غير صحيح، قال أحمد بن منيع في مسنده: أخبرنا إسحاق الأزرق، حدثنا سفيان وشريک عن موسی بن أبي عائشة،

---

(۱) شاید یہ مصنف کی بات ہے جو فتح القدیر کی اس عبارت: وقولهم أنّ الحفاظ الذين عدوهم لم يرفعوه غير صحيح، فتح القدير: كتابُ الصّلاة۔ بابُ صفة الصّلاة، فصل في القراءة [ص: ۳۳۸ ج ۱] سے معناً اخذ کی گئی ہے۔

عن عبدالله بن شداد، عن جابرؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان له ا مام فقراءة الا مام له قراءة، قال: وحدثنا جرير عن موسى بن أبي عائشة، عن عبدالله بن شداد، عن النبي صلى الله عليه وسلم، فذكره، ولم يذكر عن جابر، ورواه عبد☆ بن حميد، حدثنا أبونعيم، حدثنا الحسن بن صالح، عن أبي الزهير، عن جابر، عن النبي صلى الله عليه وسلم فذكره، وا سناد حديث جابر الأول صحيحٌ على شرط مسلم، فهؤلاء سفيان وشريک وجرير وأبو الزهير رفعوه بالطرق الصحيحة، فبطل عنهم فيمن لم يرفعه، ولوتفرد الثقة وجب قبوله /لان الرّفع زيادة. وزيادة الثقة مقبولة، فكيف ولم ينفرد، والثقة قديسند الحديث تارة ويرسله أخرى.

[۲۱]

وأخرجه ابن عدي عن أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ في ترجمته، وذكر فيه قصته وبها أخرجه أبوعبدالله الحاكم، قال: حدثنا أبومحمد بن بكر بن محمد بن حمدان☆ الصيرفيّ حدثنا عبدالصمد بن الفضل البلخي، حدثنا مكي بن ا براهيم عن أبي حنیفۃؒ عن موسیٰ بن أبي عائشة، عن عبدالله بن شداد بن الهاد، عن جابر بن عبدالله أن النبي

☆اصل میں "عبید" ہے۔

☆اصل میں "محمد بن حمدان" نہیں ہے۔

صلى اللّٰه عليه وسلم صلّى، ورجل خلفه يقرأ، فجعل رجل من أصحاب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، ينهاه عن القراء ة في الصلوة،فلما انصرف، أقبل عليه الرجل، وقال: أتنهاني عن القراء ة خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فتنازعا، حتى ذكر ذٰلك للنبي صلى اللّٰه عليه وسلم ،فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: من صلى خلف إمام☆ ، فا ن قراء ة الا ماملهٔ قراء ة.

وفي رواية لأبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ، ا نّ ذٰلك كان في الظهر أوالعصر هكذا، "إنّ رجلاً قرأ خلف رسول الله صلى اللّٰه عليه وسلم في الظهر أوالعصر، فأومأ اليه رجل، فنهاه،فلماانصرف ، قال: أتنهاني. الحديث،وهذا يفيد أنّ أصل الحديث هذا.

غيرأن جابراً روي عنه محل الحكم فقط تارةً، والمجموع تارة، ويتضمن ردّ القراء ة خلف الا مام، لأنه خرج تأييداً لنهي ذٰلك الصحابي عنها مطلقاً☆ في السرية والجهرية...

فيعارض ماروي في بعض روايات حديث "مالي أنازع"☆ أنه قال ا ن كان لابدّ فالفاتحة وكذا ماروراه أبوداوٗد

☆اصل میں "الامام" ہے۔
☆اصل میں "مطلقاً" نہیں ہے۔
☆اصل میں "القرآن" نہیں ہے۔

والترمذي عن عبادة بن الصامتؓ قال "كنا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم... ويقدم لتقدم المنع على الا طلاق عند التعارض ولقوّة السند، فا نّ حديث المنع "من كان له ا مام" أصح... قد عضد بطرق كثيرة عن☆ جابر غير هذه وا ن ضعفت، وبمذاهب الصحابة رضي الله عنهم حتى قال المصنف☆ ا ن عليه ا جماع الصحابة(۱)، انتهى ملخصاً.

یعنی حدیث: "من كان له ا مام" کے مرفوع ہونے سے انکار کرنا بالکل صحیح نہیں، کیونکہ روایت کیا ہے، اس حدیث کو مرفوعاً احمد نے جابر سے اوپر شرط بخاری اور مسلم کے، اور جریر نے شدادؓ سے، اور عبید نے جابرؓ سے اوپر شرط مسلم کے، چونکہ ایک راوی معتبر کی حدیث پر بھی عمل شرعاً واجب ہے، تو پھر ثقات مذکورین کی حدیث، کیونکر واجب العمل نہ ہوگی، اور ایک حدیث امام اعظمؒ نے جابرؓ سے یوں روایت کی ہے، کہ نماز ظہر یا عصر میں، ایک شخص پیچھے آپ کے قرأت پڑھ رہا تھا، اس کو ایک صحابی نے منع کیا، اس شخص نے بعد نماز کے، صحابی سے کہا کہ تو نے کیوں منع کیا پڑھنے قرأت سے، پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ پس جھگڑا ہوا ان دونوں کا، یہاں تک کہ اطلاع ہوئی اس کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو، پھر فرمایا آنحضرت

[ک: ۳۲]

(۱) فتح القدير: كتاب الصلاة ـ فصل في القراءة: [ص: ۳۳۸–۳۳۹ ج ۱]

☆ اصل میں "مذكورة" ہے۔

☆ اصل میں "عن جابر غير هذه" نہیں ہے۔

☆ اصل میں "صاحب الهداية" ہے۔

نے کہ قرأت امام کی کافی ہے مقتدی کو۔ روایت کیا اس حدیث کو امام اعظم سے ابن عدی اور حاکم نے، یہ حدیث صاف رد کرتی ہے قرأت خلف امام کو، اور جواب تعارض حدیث: ”مالي أنازع“ اور حدیث عبادہ بن صامت کا یہ ہے، کہ دلیل منع کی مقدم ہوتی ہے وقت تعارض کے، اور نیز سند حدیث: ”من کان له ا مامٌ“ کی قوی ہے، اور مروی ہونا اس حدیث کا بہت طرق پر، اور موافق اس کے عمل کرنا صحابہ کا، دلیل کامل ہے واسطے صحت کے اس حدیث کی۔

سوال: بہت اور احادیث بھی دال ہیں اوپر قرأت خلف امام کے، جیسا کہ حدیث ابوہریرہؓ کی: **من صلى صلوٰة لم يقرأ فيها بأمّ القرآن فهي خداج يقولها ثلاثاً.** ☆(1)

یعنی جس نے پڑھی نماز، اور نہ پڑھی نماز میں سورۂ فاتحہ، پس وہ نماز ناقص ہے۔ روایت کیا اس کو مسلمؒ اور ابوداؤدؒ نے۔ آخر حدیث مذکور کے یہ قول بھی روایت کیا گیا ہے:

---

(1) صحیح مسلم: كتابُ الصّلاة ـ بابُ وجوبِ قراءة الفاتحة [ص: ۱۶۹ ج ۱ محقق ص: ۹ ج ۲، رقم: ۳۹۵]

سنن أبي داوٗد: كتابُ الصّلاة ـ بابُ من ترک القراءة في صلاته [ص: ۱۱۸، ج: ۱، ص: ۵۲۰ ج: ۱، رقم: ۸۱۷]

سنن ا بن ماجه: كتابُ الصّلاة باب ا قامة الصّلوات والسنّة فيها، القراءة خلف الا مام ص ۶ [قديمي كتب خانه ـ كراچي: ۱۴۰۷ھ] تحقيق: شعيب الأرنؤوط ص: ۲۵ ج ۲، رقم: ۸۳۸ [دار الا شاعة العلميه بيروت: ۱۴۳۰ھ]

المصنف لابن أبي شيبة: كتابُ الصّلاة ـ باب من قال: لا صلاة ا لا بفاتحة الكتاب [ص: ۲۳۸ ج ۳، رقم: ۳۶۳۹]

المصنف لعبد الرزاق: كتابُ الصّلاة ـ باب لا صلاة ا لا بفاتحة الكتاب [ص: ۱۲۹ ج ۲، رقم: ۲۷۴۳]

☆ اصل میں ”يقولها ثلاثاً“ نہیں ہے۔

فقلت: يَا أباهريرة! ا نى أكون أحياناً وراء الا مام قال: فغمز ذراعي وقال: ا قرأ بها في نفسک، يافارسي! والخطاب لأبي السائب.

وقال النووي: وهذا يؤيد وجوبها☆ على المأموم، بل معناه اقرأها سرّاً بحيث تسمع☆ نفسک.(۱)

یعنی کہا ابوالسائب نے ابوہریرہؓ سے کہ ہوتا ہوں میں کبھی پیچھے امام کے، فرمایا ابوہریرہؓ نے: پڑھ سورۂ فاتحہ کو اپنے دل میں اے فارسی، اور کہا نووی نے: یہ مؤید ہے وجوب قرأت خلف امام کو۔

جواب: اس حدیث سے مطلق قرأت ثابت ہے، اور قرأت خلف امام کا ثبوت اس خبر واحد سے باوجود مخالفت آیت: ''وا ذا قرئ القرآن'' الآیۃ وحدیث: ''کان له امام'' کے، محالات سے ہے، جیسا کہ گذر چکا بیان اس کا بالتفصیل، قطع نظر اس سے/ اگر ایک حدیث دلالت کرتی ہے اوپر وجوب قرأت مقتدی کے، تو دوسری [ک۳۳] قوی حدیث مخالف اس کی موجود ہے:

كما نقل العيني: فا ن قلت: أخرج البيهقي من حديث الجريري عن أبي الأزهري، قال: سئل ابن عمر عن القراءة خلف الا مام، فقال: ا ني لأستحيي من ربّ هذه البنية أن أصلي صلوة لا أقرأ فيها بأمّ القرآن. قلت: هذه معارضة

---

(۱) حاشيه مسلم: كتابُ الصّلاة ـ بابُ وجوب قراءة الفاتحة [ص: ۱۷۰ ج ۱ بتغيير الفاظ] عمدة القاری: ابواب صفة الصلاة ـ باب وجوب القراءة للامام والمأموم، ص: ۵۲-۳۵۱، ج: ۳، رقم: ۷۵۷]

☆ اصل میں ''وجوبُ قراءة الفاتحة'' کا اضافہ ہے۔

☆ اصل میں ''يسمع'' ہے۔

باطلة، فان الاسناد ماذكره منقطع، والصحيح عن ابن عمر عدم وجوب القراءة خلف الامام.[1] كماروی مالک في الموطأ بأعلى طرق الاسناد، عن نافع، عن ابن عمر قال:

اذاصلي أحدكم خلف الامام، فحسبه قراءة الامام، واذاصلي وحده، فليقرأ، قال: وكان عبدالله بن عمر لايقرأ خلف الامام. انتهى.[2]

یعنی کہا زہری نے، کہ پوچھے گئے ابن عمر قرأت خلف امام سے، پس کہا ابن عمرؓ نے، کہ حیا آتی ہے مجھ کورب اس گھر کے یعنی خانہ کعبہ کے سے، یہ کہ نماز پڑھوں میں، اور نہ پڑھوں اس میں سورۂ فاتحہ کو، روایت کیا اس کو جریر نے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ معارضہ باطل ہے، کیونکہ اسناد حدیث مذکور کی منقطع ہے، اور روایت صحیح ابن عمرؓ سے، عدم وجوب قرأت خلف امام کی ہے، جیسا کہ روایت کیا امام مالکؒ نے موطا میں، ساتھ اعلیٰ ترین اسناد کے، کہ فرمایا: ابن عمرؓ نے کہ جب نماز پڑھے کوئی شخص پیچھے امام کے، کافی ہے اس کو قرأت امام کی، اور اگر تنہا نماز ادا کرے، تو قرأت اس پر لازم ہے، اور ابن عمرؓ نہیں پڑھا کرتے تھے پیچھے امام کے۔

وروی عبدالرزاق في مصنفه: عن الثوري عن ابن ذكوان،

(۱) عمدة القاري: أبواب صفة الصلاة _ باب وجوب القراءة للامام والمأموم [ص: ۲۵۰ ج ۴ رقم: ۷۵۶]

(۲) موطا لِلامام مالک: کتاب الصلاة _ باب ترک القراءة خلف الامام فيما جهر فيه ص: ۲۹ [نقل مطبع مجتبائی _ دهلی: بلا سنه] تحقيق الدكتور محمود أحمد القيسية ص: ۷۰ ج ۱، رقم: ۲۲۳ [مؤسسة النداء _ أبو ظبي: ۱۴۲۴ هـ]

عن زید بن ثابت و ابن عمر، کانا لایقرآن خلف الا مام.[1]

یعنی زیدؓ اور ابن عمرؓ نہیں پڑھا کرتے تھے پیچھے امام کے۔

وروی أیضاً عن هشام ابن حسان عن أنس بن سیرین قال:

سالت ابن عمر: أقرأ مع الا مام؟ قال ا نک لضخم البطن، یکفیک قراءة الا مام.[2] **انتهی. ذکره أبو الفیض في شرح المسند.**

یعنی کہا ابن سیرین نے کہ پوچھا میں نے ابن عمرؓ سے: آیا قرأت پڑھا کروں پیچھے امام کے؟ فرمایا ابن عمرؓ نے کہ تحقیق، تو موٹے پیٹ والا ہے، کافی ہے واسطے تیرے، قرأت امام کی، روایت کیا ان دونوں حدیثوں کو عبدالرزاق نے۔ ذکر کیا اس کو ابوالفیض نے شرح مسند میں۔

[ک ۳۳]

حاصل جواب کا یہ ہے کہ حدیث ابوہریرہؓ کی نہیں دلالت کرتی، اوپر وجوب قرأت خلف امام کے، بلکہ قیاساً ابوہریرہؓ نے مقتدی کو دل میں قرأت کا حکم دیا ہے، یعنی سورۂ فاتحہ کو مقتدی زبان پر نہ لاوے، جیسا کہ دلالت کرتا ہے اس پر روایت کرنا ابوہریرہؓ کا حدیث: ا ذا قرأ فأنصتوا کو۔ یعنی جب پڑھنے لگے امام خاموش ہو جاؤ تم۔

قال مسلم[3] **وهو عندي صحیح** یعنی کہا مسلم نے، کہ یہ حدیث صحیح ہے نزدیک میرے۔

---

(۱) المصنف لعبد الرزاق: کتاب الصلاة۔ باب القراءة خلف الا مام [ص: ۱۴۰ ج ۲، رقم: ۲۸۱۵]

(۲) شرح المسند لأبي الفیض:

(۳) صحیح مسلم: کتاب الصلاة باب التشهد في الصلاة [ص: ۱۷۴ ج ۱، ص: ۱۵ ج ۲ رقم ۴۰۴]

پس بیان کرنا امام نووی کا، کہ مراد اس سے قرأت آہستہ ہے، دعویٰ بلا دلیل ہے۔
اگر بالفرض قول ابوہریرہؓ کا محمول اوپر قرأت سریہ کے کیا جائے، تو جواب اس کا یہ ہے کہ چونکہ ابوہریرہؓ صحابہ مجتہدین سے نہیں ہیں اور یہ قیاس بھی مخالف آیت: "وا ذ قرئ القرآن" الآیة اور حدیث صحیح: من کان له ا ما مکا تھا، اس واسطے یہ قول ابوہریرہؓ کا علماء حنفیہ نے لائق عمل نہ جانا۔

فلذا قال الطحاوي في شرح معاني الآثار ما خلاصته: أن حديث أبي هريرةؓ كل صلاةٍ لم يقرأ فيها بأم القرآن فهي خداج. ليس في ذلك دليل على أنه صلى الله عليه وسلم أراد بذلك الصلاة التي تكون وراء الا مام، بل يجوز أن تكون صلاة التي لا ا مام فيها للمصلي، بدليل من كان له ا مام فقراء ة الا مام له قراء ة كيف وقد رأينا أبا الدرداء قد سمع من النبي صلى الله عليه وسلم، في ذلك مثل هذا، فلم يكن ذلك عنده على المأمومين، كما روى كثير ابن مرة الحضرمي عن أبي الدرداء، سمعته يقول: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، أفي كل صلاة قراء ة قال نعم، قال رجل من الأنصار وجبت هذه فالتفت اليّ، وكنت أقرب القوم منه، فقال يعني أبو الدرداء، ما أرى الإمام أن أمّ القوم إلاّ وقد كفاهم، فقد خالف أبو الدرداء رأي أبي هريرة في ذلك انتهى۔[1]

یعنی حدیث ابوہریرہؓ کی دلیل نہیں واسطے قرأت خلف امام کے بلکہ جائز ہے

(۱) شرح معاني الآثار: كتابُ الصّلاة ـ بابُ القراء ة خلف الا مام [ص: ۱۴۲، ج: ۱]

کہ مراد اس سے نماز اکیلے کے ہو، تاکہ مخالف نہ ہو آیت: وا   ذاقرئ القرآن
اور حدیث: قراءة الا   مام له قراءة کے جیسا کہ ابودرداءؓ نے حدیث قرأت
کو اس پر حمل کیا ہے، جیسا کہ روایت کیا ہے حضرمی نے ابودرداءؓ سے، کہ
پوچھے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، آیا ہر نماز میں قرأت ہے؟ فرمایا: ہاں!
کہا ایک انصاری نے کہ لازم ہوگئی قرأت پھر، التفات کیا ابودرداءؓ نے
طرف میری اور کہا کہ بیشک قرأت امام کی کافی ہے مقتدی کو، پس مخالف
ہوا/قیاس ابودرداءؓ کا ابوہریرہؓ سے۔

فائدہ: معنی حدیث ابوہریرہ کے بھی، موافق قیاس ابودرداء کے کرنا ضروریات سے
ہے تاکہ نہ مخالف ہو ساتھ باقی احادیث قویہ کے۔

مما يقوي قولنا ما أورده الترمذي في جامعه قال الا   مام
أحمد: معنى قول النّبي صلى الله عليه وسلم لا صلاة لمن
لم يقرأ بفاتحة الكتاب ا   ذا كان وحده، واحتج بحديث
جابر بن عبدالله حيث قال من صلى ركعةً لم يقرأ فيها بأمّ
القرآن فلم يصل ا   لا أن يكون وراء الا   مام، قال أحمد: فهذا
جابر من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم تأوّل قول
النّبي صلى الله عليه وسلم، لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة
الكتاب ا   ذا كان وحده[1]   نتهى كلام الترمذي.
قلت بهذا التوجيه يجتمع النصوص وأيضا يدل عليه بل يعينه

(۱) جامع الترمذي: أبواب الصّلاة _ باب ما جاء في ترك القراءة خلف الا   مام ا   ذا جهر بالقراءة
[ص: ۴۳ ج التحقيق _ ص: ۱۲۳ ج ۲]

ماروى مالك عن نافع عن ابن عمر، قال ا ذا صلىٰ أحدكم خلف الا مام فحسبه قراءة الا مام، وا ذا صلى وحده فليقرأ

ورواه عنه الدار قطني مرفوعاً، وقال رفعه وهم. (۱)

وقال الشيخ العابد المدني في جوابه، لكن الظاهر أن ابن عمر سمع ذلك من النبي صلى الله عليه وسلم لما قرر أن الصحابي ا ذا أخبر بأمر لامساغ للاجتهاد فيه فله حكم الرفع وههنا كذلك فكانت مرفوعاً حكماً، انتهى. فظهر أن هذا أولى مما رآه أبوهريرةؓ. (۲)

یعنی ترمذی میں لکھا ہے کہ فرمایا امام احمدؒ نے، کہ حدیث: لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب سے اکیلا مراد ہے، بموجب حدیث جابرؓ کے: من صلی رکعۃ الخ یعنی جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے نہیں ہوتی نماز اس کی اگر نہ ہو پیچھے امام کے، پس جابرؓ صحابی کے نزدیک، حدیث: لاصلاۃ الخ سے بھی یہی معنی مراد ہیں۔

یہ تاویل بہتر ہے، کیونکہ اس تاویل سے سب آیات اور احادیث صحیحہ میں تعارض باقی نہیں رہتا، بلکہ اس تاویل کو معین کرتا ہے، روایت کرنا امام مالک کا ابن عمرؓ سے، کہ جب نماز پڑھے کوئی تمہارا پیچھے امام کے، پس کافی ہے اس کو قرأت امام کی اور اکیلے نمازی پر قرأت لازم ہے۔

---

(۱) سنن الدارقطني: كتاب الصلوة۔ باب ذكر نيابة الامام عن قراءة المأمومين [ص: ۱۵۴، ج: ۹، ص: ۳۸۷، ج: ۱، رقم: ۱۴۸۷] وا خرجه الدارقطني، بحواله فتح القدير: كتابُ الصّلاة۔ فصل في القراءة [ص: ۳۴۰ ج ۱]

(۲) شرح المسند للشيخ عابد المدني: كتاب الصّلاة باب كفاية الا مام للمأموم [ص: ۶۳، حاشيه: ۳ ملخصاً.]

اورروایت کیا ہے اس حدیث کو، دار قطنی نے ابن عمر سے بطور مرفوع کے۔ اور کہا دار قطنی نے کہ مرفوع ہونا اس حدیث کا ثابت نہیں، اور موقوف ہونا او پر عبداللہ بن عمر کے صحیح ہے، اور کہا شیخ عابد مدنی نے البتہ مرفوع ہونا اس کا روایۃً ثابت نہیں مگر حکماً ضرور مرفوع ہے، کیونکہ مرفوع حکمی اس حدیث کا نام ہے، کہ جو صحابی ایسے امر کی خبر دے کہ جس میں قیاس کو راہ نہ ہو، اور یہ حدیث بھی اسی قبیل سے ہے۔ یعنی عبداللہ بن عمرؓ کو یہ طاقت نہ تھی کہ بغیر فرمائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ حکم لگاتے، یعنی مقتدی کو قرأت کا پڑھنا ضرور نہیں! پس تحقیق ماسبق سے ظاہر ہوا، کہ نہ پڑھنا مقتدی کا بموجب آیات واحادیث مذکورہ کے بہتر ہے، قرأت خلف امام سے بموجب قیاس ابو ہریرہؓ کے۔

قال صاحب الكافي شرح الوافي: ماملخصه أن لايقرأ المؤتم خلف الامام، وقال الشافعيؒ يقرأالفاتحة لحديث عبادةؓ ولنا قوله تعالىٰ وَاِذَاقُرِئَ القُرآنُ الآية والحديث محمول على الابتداء، كما يدل عليه رواية أبي بن كعب لما نزلت هذه الآية تركوا القراءة خلف الامام وأيضا لنا قوله عليه السلام، من كان له امام والخبر المشهور انما جعل الامام ليؤتم به، فاذا كبّر فكبّروا واذا قرأ فأنصتوا واذاركع فاركعوا، واذا قال سمع اللّٰه لمن حمده فقولواربّنا لک الحمد، فبين كيفية الامام فامر بالبعض بالمشاركة وفي البعض بالسكوت وفي البعض بالمجاوبة، فثبت أن الائتمام على ماعلم لاعلى نمط واحد.[1]

(۱) الكافي شرح الوافي

[ک۲۸]

یعنی کہا صاحب کافی نے، کہ مقتدی کو بموجب آیت: واذا قـــــری القرآن کے پڑھنا پیچھے امام کے منع ہے اور امام شافعیؒ، جو حدیث عبادہ کو واسطے وجوب قرأت خلف امام کے دلیل پکڑتے ہیں، سو جواب اس کا یہ ہے کہ روایت ابی بن کعب سے ثابت ہے، کہ ابتدائے اسلام میں مقتدی پیچھے امام کے قرآن پڑھا کرتے تھے، بعد نزول اس آیت کے ترک کیا اصحابوں نے قرأت خلف امام کو، اور نیز دلیل ہے واسطے منع قرأت کے حدیث: من کان له إمام اور حدیث مشہور: انما جعل الا یعنی فرمایا آنحضرت نے، بیشک کیا گیا ہے امام، تا کہ تابعداری کی جاوے اس کی، پس جب کہ تکبیر کہے امام تکبیر کہو تم، اور جب قرآن پڑھنے لگے امام خاموشی اختیار کرو تم، اور جب رکوع کرے رکوع کرو، اور جب کہے: سمع الله پس کہو تم: ربنا لک الحمد پس بیان کر دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

[ک۲۹]

کیفیت اقتدا کی، پس حکم کر دیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، بعض میں مشارکت کا اور بعض میں خاموشی کا اور بعض میں مجاوبت کا، پس ثابت ہوا کہ تحقیق اقتدا امام کے افعال نماز میں ایک نمط پر نہیں۔

قال العيني: مستدلاً بقوله عليه السلام، وا ذا قرأ فأنصتوا أن هذه حجةٌ صريحة، في أن المقتدي لايجب عليه أن يقرأ خلف الا مام أصلاً، على الشافعي، في جميع الصلوات وعلى مالک، في الظهر والعصر، انتهى.(1)

---

(1)(۴)عمدة القاري: أبواب صفة الصلاة۔ باب وجوب القراءة للا مام والمأموم: ۴۵۲ ج۴، رقم: ۷۵۶]

وما نقل عن بعض مشائخنا، أن القراءة خلف الا مام فيما لايجهر، لايكره للاجتهاد. رده ابن الهمام حيث قال: ثم لا يخفى أن الاحتياط في عدم القراءة خلف الا مام لأن الاحتياط هو العمل بأقوى الدليلين وليس مقتضى أقواهما القراءة، كيف وقد روي من عدة من الصحابة رضي اللّٰه عنهم فساد الصلاة بالقراءة خلفه بأقواهما المنع، انتهى مع تغيير يسير.(۱)

وفي النهاية منع المقتدي من القراءة مرويا عن ثمانين نفراً من أكابر الصحابة، رضي الله عليهم أجمعين.(۲)

قال صاحب الكافي منهم المرتضى وعبدالله بن مسعود وعبدالله بن عباس وعبدالله بن عمرؓ.(۳)

وفي الكرماني عن الشعبي أدركت سبعين بدرياً كلهم على أنه لاتقرأ خلف الا مام ذكره القاري وغيره.(۴)

یعنی کہا عینی نے کہ حدیث: ا ذا قرئ فانصتوا صریح ہے اوپر عدم وجوب قرأت خلف امام کے نماز پنجگانہ میں اور قرأت خلف امام کو جو بعض مشائخ نے نماز سریہ میں احتیاط درست لکھا ہے بالکل بے اصل ہے۔ کیونکہ

(۱) فتح القدير: كتاب الصلاة ـ بابُ صفة الصّلاة. فصل في القراءة [ص: ۳۵۲ ج ۳]

(۲) النهاية: کی یہ عبارت حاشیہ فتح القدیر ص: ۳۳۰ ج: ۱، نیز عمدۃ القاری [ص: ۳۳۹، ج: ۴، رقم: ۷۵۶ پر ملاحظہ ہو]

(۳) الكافي: یہ عبارت بغیر عبارت حاشیہ فتح القدیر [ص: ۳۳۰، ج: ۱] پر ہے، نیز ملاحظہ ہو: عمدۃ القاری [ص: ۴۳۳۹، ج: ۴، رقم: ۷۵۶]

(۴) كرماني: علامہ کرمانی کی عبارت کے لئے دیکھئے: حاشیہ فتح القدیر [ص: ۳۳۰، ج: ۱]

احتیاط، اوپر قوی ترین دلیل کے عمل کرنے کا نام ہے اور دلیل منع قرأت، خلف امام کی نہایت قوی ہے، بلکہ روایت کیا گیا ہے بہت صحابہ سے، کہ قرأت خلف امام سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ پس احتیاط اسی میں ہے کہ مقتدی، قرأت کو پیچھے امام کے ہرگز نہ پڑھے۔

اور نہایہ میں لکھا ہے، کہ منع کرنا قرأت روایت کیا گیا ہے، اسی (۸۰) صحابہ کبار سے، مثل علی اور عبادلہ ثلثہؓ کے۔

اور کرمانی میں شعبی سے نقل کیا ہے، کہ پایا میں نے ستر اصحاب کو جو جنگ بدر کی فضیلت سے مشرف تھے، کہ نہیں پڑھتے / تھے پیچھے امام کے۔ بیان کیا اس کو ملا علی قاری وغیرہ نے۔ [مذکورہ]

پس ان احادیث اور آثار سے صاف واضح ہے، کہ اتفاق اکثر صحابہ اور تابعین وغیرہ کا، اس پر کہ قرأت خلف امام علی الاطلاق ممنوع ہے، یعنی کسی نماز میں سریہ ہو یا جہریہ سورۂ فاتحہ ہو یا کوئی اور سورہ، ہرگز درست نہیں اور کلام شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی دال ہے اسی مدعا پر۔

حیث قال في المسوى شرح الموطأ: في بيان حديث جابر رضي الله عنه من صلى ركعة لم يقرأ فيها بأمّ القرآن فلم يصل إلا وراء الا مام، قلت وعليه أهل العلم ا لا أن الشافعي يقول من لم يقرأ فاتحة الكتاب في كل ركعة فصلاته فاسدة ا نتهى.(1)

یعنی کہا شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے کہ حدیث جابر پر سوائے امام شافعی کے سب

---

(1) المسوّى شرح الموطأ: كتاب الصلاة ۔ باب تجب قراءة الفاتحة في كلّ ركعة ص ۱۴۴.

[دار الكتب العلمية ۔ بيروت: ۱۴۰۳ھ]

اہل علم کا عمل ہے۔ اگر کوئی کہے کہ روایات مذکورہ بالا بعضے صحیح اور بعضے ضعیف ہیں تو اس کا جواب ہم ابتدائے کتاب میں تفصیلاً بیان کر چکے ہیں، یعنی ضعیف ہونا حدیث کا نزدیک محدثین کے، جو بعد امام اعظمؒ کی ہوئی ہیں، امام اعظمؒ کے حق میں مضر نہیں، اور قطع نظر اس سے ہم نے کسی محل تعارض میں، بنا اوپر حدیث ضعیف کے نہیں کی، بلکہ ہر مقام میں احتجاج ساتھ ان احادیث کے کیا ہے، جو بموجب اصطلاح محدثین کے صحیح الاسناد ہیں، البتہ روایات ضعیفہ کو تائیداً ذکر کیا ہے، سو وہ محل اخذ او راعتراض کا نہیں، کما لا یخفی.

خلاصہ کلام کا یہ ہے کہ فرضیت قرأت علی الاطلاق، یعنی امام ہو یا مقتدی، سورۂ فاتحہ ہو یا کوئی اور آیت یا سورہ ہو ثابت ہے ساتھ آیت: فاقرؤا ماتیسر اور ساتھ فرمانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیچ تعلیم اعرابی کے، ثم اقرأ ماتیسر معک من القرآن رواہ البخاري. (۱) یعنی پڑھ نماز میں قرآن سے جو آسان ہو تجھ کو، لیکن قرار دینا سورہ فاتحہ کا بدون تخصص کے، ترجیح بلا مرجح اور دعویٰ بلا دلیل ہے۔

کما مر بیانه بدفع جمیع شقوقه وماقیل أن المخصص هو قوله علیه السلام، لاصلاة ا لا بفاتحة الکتاب رده العیني حیث قال: و لایجوز أن یکون قوله لاصلاة ا لابفاتحة الکتاب مخصصاً لأنه ینافي معنی التیسر فینقلب إلی تعسر وهذا باطل، ولایجوز أن یکون مفسرا لأنه لیس فیه ا بهام.... وأما قول النووي الفاتحة متیسرة، فنقول أن سورة الا خلاص أکثر تیسراً من

(۱) صحیح البخاري: کتاب الصلاة۔ باب وجوب القراءة للا مام والمأموم [ص:۱۰۵ ج۱]

الفاتحة فما معنى تعين فاتحة الكتاب في التيسر بل هذا تحكم بلادليل ا تنهى ملخصاً.[1]

وأيضاً قال العيني: ومن قال أنه مجمل كالتيمي وغيره كالكرماني، وحديث عبادة رضي الله عنه مفسر، والمفسر قاض على المجمل، فقد أبعد جداً لأنه لايصدق عليه حدالا جمال كماذكرنا عن قريب[2] وأشار الى ماقاله فليت شعري من قال: ا ن حدالا جمال يصدق على هذا والمجمل ماخفي المراد منه لنفس اللفظ خفاءً، لايدرك ا لابيان من المجمل سواء كان ذلك لتزاحم المغلي المتساوية الأقدام كالمشترك، أولغرابة اللفظ كالهلوع أولانتقاله من معناه الظاهر إلى ماهوغير معلوم، كالصلاة والزكاة والربا، فانظر أيها المنصف النازح عن طريق الاعتساف! هل يصدق ماقاله من دعوى الا جمال؟ وهل ينطبق ماذكره الأصوليون في حدّ المجمل على مايذكره، فنسأل الله العصمة من دعوى الأباطيل والوقوع في مهمة التضاليل، انتهى.[3]

یعنی حدیث: لاصلوۃ ا لابفاتحة الکتاب: فاقرؤا ماتیسر کو

(١-٢) عمدةالقاري: أبواب صفة الصلاة۔باب وجوب القراءة للا مام والماموم ص: ٣٥٣ ج: ٣ رقم: ٧٥٦]

(٣) عمدةالقاري: أبواب صفة الصلاة۔باب وجوب القراءة للا مام والماموم: ٥٣-٣٥٣ ج: ٣ رقم: ٧٥٦]

تخصیص نہیں دے سکتی، کیونکہ تخصیص کرنے میں تیسر باقی نہیں رہتا بلکہ تعسر پیدا ہوتا ہے اور نہیں جائز یہ کہ حدیث مذکور تفسیر ہو آیت کی، کیونکہ آیت میں ابہام نہیں اور جو نووی شارح مسلم نے کہا ہے کہ سورۂ فاتحہ آسان ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ سورۂ اخلاص اس سے بھی آسان تر ہے، پس مخالفین کا فقط سورۂ فاتحہ کو آسان سمجھنا اور باقی قرآن کو مشکل قرار دینا دعوی بلا دلیل ہے اور کہنا تیمی اور کرمانی وغیرہ کا کہ آیت مجمل ہے اور حدیث عبادہؓ کی مفسر ہے اور حکم مفسر کا بڑھ کر ہے مجمل سے، بالکل بعید ہے علمیت سے، کیونکہ مجمل اس کو کہتے ہیں کہ جس کی مراد پوشیدہ ہو، بسبب مشترک ہونے اس لفظ کے معانی متساویۃ الاقدام میں، یا بسبب قلیل الاستعمال ہونے اس لفظ کے، یا بسبب اس کے کہ معنی ظاہری، اس کے سے انتقال کیا ہے طرف معنی غیر معلوم کے، حالانکہ کوئی وجہ اخفا کی آیت: فاقرؤا میں پائی نہیں جاتی، جیسا کہ نہیں پوشیدہ اوپر منصف یا غیر متعصب کے، دعا مانگتے ہیں ہم کہ بچاوے اللہ جل جلالہ ہم کو گمراہی اور دعاوی باطلہ سے۔

[۳۰ ک]

پھر بعد ثبوت فرضیت قرأت علی الاطلاق کے، ساقط ہوئی قرأت مقتدی سے، بسبب نزول آیت کے:

"وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا" لأن نزوله كان في الصلاة إجماعاً، قال الإمام أحمد، كما روى أبي بن كعب وهو من فقهاء الصحابة، لما نزلت هذه الآية تركوا القراءة خلف الإمام.

یعنی سب علما کا اس پر اجماع ہے کہ نزول اس آیت کا نماز کے بارے میں

ہوا ہے [جیسا کہ امام احمد نے فرمایا] جیسا کہ روایت کیا ہے ابی بن کعب نے، جو فقہائے صحابہ سے ہیں، کہ جب نازل ہوئی یہ آیت، ترک کیا لوگوں نے قرأت خلف امام کو۔

ولـم يثبت فرضية فاتحة الكتاب، من أول الأمر كما مربيانه، لأن الـمـراد مـن نـفـي: "لاصـلـوة ا لابفاتحة الكتاب" نفي الكمال، كـمـافـي قوله عليه السلام: لاا يمان لمن لاأمانة، وا لايلزم الزيادة عـلـى الـنـص بـخـبـرالـواحـد. وا ن نزلنا وسلمنا أن خبرلاصلاة ا لابفـاتحة الكتاب، يوجب فرضية فاتحة الكتاب، قلنا قوله عليه السلام من كان له ا مام فقراء ة الا مام له قراء ة.

ومـر تـصـحـيـحـه بطرق مصححة الا سناد مرفوعاً ومرسلاً، فـا ذا صـح فـقـد وجـب أن يخصّ عموم الآية والحديث على طـريـقـة الـخـصـم مـطـلـقاً، فيخرج المقتدي، وعلى طريقنا يـخـصّ أيـضـاً لأنهاعام خص منه البعض /وهـو الـمـدرك فـي الـركـوع ا جماعاً فجاز تخصيصها(۱) بـالـحديث الـمذكور، وهـذه حـجـة ثانية لنا لاغبارفيها أصـلا تقارب الحجة الأولى الثابتة بالنص القرآني في القوة .

[۳۳۶]

(یعنی) اب تک نہیں ثابت ہوا فرض ہونا سورۂ فاتحہ کا، حدیث: لاصـلاة ا بـفـاتـحـة الـكـتـاب سے، کیونکہ یہ حدیث محمول ہے اوپر نفی کمال کے، جیسا کہ حدیث: لاا يـمـان لـمـن لاأمـانة لـه، ولادين لمن لاعهد له

(۱) فتح القدير: كتاب الصّلاة ـ فصل في القراء ة [ص: ۳۳۸ ج ۱]

اجماعاً محمول ہے او پر نفی کمال کے، **کمامر تحقیقه بمالامزید علیه**
اگر تسلیم کر لیں ہم اس امر کو کہ حدیث: **لاصلوۃ الخ** واجب کرتی ہے فرضیت
فاتحہ کو، تو کہیں گے ہم کہ ساتھ حدیث صحیح الاسناد، یعنی: **من کان له الخ**
کے واجب ہوا خاص کرنا آیت: **فاقرؤ** اور حدیث: **لاصلاۃ** کا، او پر
قاعدہ خصم کے بلا تکلف: **لأنه يجوز تخصيص العام بخبر الواحد عنده بلاشرط كونه مخصوصاً بدليل آخر قبله، لكون العام ظنيا عنده. كمابين في علم الأصول.**

سوال: حدیث عبادہ بن صامت سے معلوم ہوتا ہے کہ سقوط قرأت کا مقتدی سے، جو مقتضی آیت: ا ذاقرا و حدیث: من کان له ا مام کا ہے، سوائے فاتحہ کے مراد ہے۔

جواب: بطلان اس دعوے کا، وجوہ متعددہ سے ثابت ہے:

وجہ اول: حدیث عبادہ کی نہایت ضعیف ہے، جیسا کہ گذر چکا بیان اس کا تفصیل سے، اور ایسی ضعیف حدیث سے تخصیص آیت اور تقیید اطلاق حدیث صحیح کا اتفاقاً درست نہیں، بلکہ ایسی روایت مقابل آیت اور حدیث صحیح کے اتفاقاً، لائق عمل کے نہیں۔

وجہ دوسری: حدیث عبادہ بن صامت سے وجوب قرأت خلف امام کا، نماز جہریہ اور سریہ میں علی الاطلاق ثابت ہوتا ہے۔ پس معارض ہوئی یہ حدیث، احادیث صحیحہ کے، بلکہ ایک حدیث اسی عبادہ بن صامتؓ سے صحیح الاسناد معارض حدیث مذکور کی موجود ہے:

عن عبادة بن الصامتؓ أنه عليه الصلاة والسلام قال: لايقرأنّ أحد منكم شيئاً من القرآن ا ذاجهرت بالقرآن وقال الدارقطني رجاله كلهم ثقاة. (۱)

---

(۱) سنن الدارقطني: كتاب الصّلاة ـ باب وجوب القراءة أمّ الكتاب في الصّلاة خلف الا مام [ص: ۱۲۱ ج ۱ تحقیق ص: ۳۱۸ ج ۱، رقم: ۱۲۰۷]

[ترجمہ] یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکہ ہرگز نہ پڑھے کوئی تم میں سے، قرآن کی کوئی شے، جس وقت پکار کے پڑھوں میں قرآن، کہا دار قطنی نے کہ راوی اس حدیث کے سب معتبر ہیں۔

پس بسبب صحیح الاسناد ہونے اس حدیث کے، جو دال ہے اوپر منع قرأت مقتدی کے، نماز جہریہ میں واجب ہوا ترک کرنا پہلے حدیث ضعیف الاسناد کا، جو برابر دال ہے اوپر وجوب قرأت مقتدی کے نماز جہریہ اور سریہ میں، کیونکہ درست نہیں کسی کے نزدیک عمل کرنا اوپر حدیث ضعیف کے، جو مخالف اس کے دوسری حدیث صحیح الاسناد موجود ہو اور معارض حدیث قرأت کی اور احادیث بھی بہت ہیں۔

منها ماروی مالک رحمه الله تعالىٰ في الموطأ عن ابن شهاب عن ابن أكيمة الليثي عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لمّا انصرف من صلاة جهر فيها بالقراء ة فقال هل قرأ معي منكم أحد آنفا فقال رجل نعم، أنا يارسول الله! قال فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ا نی أقول مالي أنازع القرآن فانتهى الناس عن القراء ة سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما جهر فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم بالقراء ة من الصلوات، حين سمعوا ذلک من رسول الله صلى الله عليه وسلم. (۱)

(۱) موطا للا مام مالک: کتاب الصلاۃ۔ باب ترک القراء ۃ خلف الا مام فیما جهر فيه [ص: ۲۹، ص ۱ ے ج ۱، رقم: ۲۳۵]

وأيضاً رواه ابوداؤد[1] في سننه، وقال: روىٰ حديث ابن أكيمة هذا معمر ويونس وأسامة بن زيد عن الزهري على معنى مالک. انتهى.

وأيضاً روى هذا الحديث، أحمد[2] والنسائي[3] والترمذي[4] وابن ماجه.[5]

وقال الترمذي وفي الباب: عن ابن مسعود وعمران بن حصين وجابر بن عبدالله، انتهى.

یعنی بیان کیا ابوہریرہؓ نے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: بعد سلام پھیرنے کے نماز جہریہ سے، کہ آیا پڑھا ہے ساتھ میرے کسی نے تم میں سے اب کہا ایک شخص نے کہ ہاں پڑھا ہے میں نے یارسول اللہ! پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، کہ تحقیق کہتا ہوں میں کہ کیا باعث ہے منازعت میری/کا، ساتھ قرآن کے پھر موقوف کیا لوگوں نے قرأت خلف امام کو نماز جہریہ میں، روایت کیا اس کو امام مالک اور ابوداؤد اور امام احمد اور نسائی اور ترمذی اور ابن ماجہ نے اور اسناد اس حدیث کی صحیح ہے۔

[ک۴۴]

(۱) سنن ابي داؤد: كتابُ الصّلاة ـ بَابُ من رأى القراءة ا ذا لم يجهر[ص: ۱۲۰ ج: ا ص: ۵۲۴ ج ا برقم: ۸۲۲]

(۲) المسند للامام احمد بن حنبل ص: ۲۹۷ ج: ۷، رقم: ۷۸۲۰[دار الحديث۔ قاهره ۱۴۱۶ھ]

(۳) سنن النسائي: كتاب الافتتاح ـ باب ترك القراءة خلف الا مام فيما جهربه ۱۰ ج ا. ص ۱۴۸ ا، رقم: ۹۲۰]

(۴) جامع الترمذي: أبواب الصّلاة ـ باب ما جاء في ترك القراءة خلف الا مام ا ذا جهر بالقراءة [ص: ۴۲ ج ا، ص: ۱۱۸ ج ۲ برقم: ۳۱۲]

(۵) سنن ابن ماجه: كتاب الصلاة ـ ابواب اقامة الصلاة والسنة فيها الخ[ص: ۲۱، ص: ۳۲، ج: ۲، رقم: ۸۴۸]

منها ماروى النسائي في باب سجود القرآن؛ أخبرنا علي بن حجر أخبرنا إسماعيل عن يزيد بن خصيفة عن يزيد بن عبدالله بن قسيط عن عطاء بن يسار أنه أخبره أنه سئل زيد بن ثابت عن القراءة مع الامام فقال لاقراءة مع الامام في شيء انتهى.(۱) [وأيضاً رواه مسلم في صحيحه بهذا اللفظ].

یعنی پوچھے گئے زید بن ثابتؓ، قرأت خلف امام سے۔ پس فرمایا کہ نہیں! بالکل قرأت ساتھ امام کے کسی نماز میں۔ روایت کیا اس کو نسائی اور مسلم نے۔

ووقوع لفظ قراءة وشيء تحت النفي في هذاالحديث أفاد عموم نفي القراءة أعني فاتحة كانت أوغيرها، جهرية كانت الصلاة أوسرية، كمالايخفى على من له أدنى ممارسة في المنقول والمعقول.

منها ماروى النسائي في باب ترك القراءة خلف الامام فيماجهر. أخبرنا محمدبن عبدالله بن مبارك حدثنا محمدبن سعد الأنصاري، قال حدثني محمدبن عجلان، عن زيد بن أسلم، عن أبي صالح، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: انما الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا(۲).

یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، بیشک کیا جاتا ہے امام تا کہ تابعداری

(۱) سنن الكبرى للنسائي: كتاب الافتتاح باب ترك السجود في والنجم [ص: ۱۱ ج ۱، ص ۱۴۳، رقم: ۹۶۱]

(۲) سنن النسائي: كتاب الافتتاح باب تأويل قوله عزوجل "فاذاقرئ القرآن فاستمعوا له" الخ [ص: ۱۰۷ ج ۱، ص ۱۲۸، رقم: ۹۲۳]

کی جائے اس کی، اس طور پر، کہ جس وقت تکبیر کہے امام، تکبیر کہو تم، اور جب پڑھنے لگے امام خاموش ہو جاؤ تم۔ روایت کیا اس کو نسائی نے لفظ: ا ذا قر
فأنصتوا اس حدیث میں اور لفظ: فانتهى الناس عن القراءة حدیث سابق میں صاف دال ہے اوپر ممنوعیت قرأت خلف امام کے، بلا تخصیص فاتحہ وغیرہ، اور تائید دیتا ہے اس کو لفظ: شیئاً من القرآن کا جو بعض احادیث مسبوقة الذکر میں مروی ہے۔

منها ماروى الطحاوي في معاني الآثار: من الرواية المذكورة وغيره لكنا تركناه بسبب التكرار وخوف الا طالة.[1]

یعنی اسی قبیل سے ہیں روایات مذکورہ وغیرہ طحاوی کے معانی آثار میں، نہ بیان کیا میں نے ان روایات کو اس مقام پر واسطے خوف اطالت کے۔

اسی واسطے جب شافعیوں نے مذہب اپنے کو، بیچ قرأت خلف امام کے، نماز جہریہ میں مخالف احادیث صحیحہ کے، پایا اور نہ ملی ان کو کوئی حدیث صحیح موافق مذہب اپنے کے، ترک کیا شافعیوں نے، قرأت خلف امام کو نماز جہریہ میں وقت پڑھنے امام، اور اجتہاد کیا اس امر کو کہ امام بعد پڑھنے سورۂ فاتحہ کے چپکا کھڑا رہے، کہ مقتدی سورۂ فاتحہ کو ادا کریں، جیسا کہ شافعیوں کا اب حرمین شریفین میں بھی عمل ہے۔ اگر شافعیوں کے نزدیک حدیث عبادہؓ کی پایۂ ثبوت کو پہنچتی، ہرگز اس تکلف خلاف وضع کو اختیار نہ کرتے اور سکوت مذکور بھی محتاج طرف دلیل کے ہے، بلکہ الٹا تابعدار ہونا امام کا، واسطے مقتدیوں کے مخالف

(۱) شرح معاني الآثار: كتاب الصلاة۔ باب القراءة خلف الا مام ص: ۳۸۳ ج ۵ ابن عجلان کے متعلق ہے قلت: أما ا بن عجلان فا نه وثقه العجلي وفي الكمال لعبد الغني ثقة كثير الحديث وذكر الدار قطني: أن مسلماً أخرج له في صحيحه فهذا زيادة. نخب الأفكار: كتاب الصلاة۔ باب القراءة خلف الا مام [ص: ۳۸۶ ج ۵]

حدیث: انمـا جعـل الا مام لیؤتم بہ پس معلوم ہوا کہ شافعیوں کو ابھی اس مسئلہ میں بہت حیرانی ہے اور سرگردانی ہے واللہ أعلم بالصواب.

وجہ سوم: حدیث: مــن كـــان لــه ا مــام الخ قرأت ماورائے فاتحہ کا مراد لینا ہرگز ممکن نہیں، کیونکہ راوی اس حدیث کا جو جابر بن عبداللہ ہے، وہ خود کہتا ہے کہ مقتدی سورۂ فاتحہ کو بھی نہ پڑھے اور یہ بات جابر سے، ساتھ چند لوازمات صحیحہ معتبرہ کے ثابت ہے۔

كماروى مالك في الموطا: حدثنا وهب بن كيسان أنه سمع جابر بن عبدالله يقول: من صلى ركعة لم يقرأ فيها بأم القرآن فلم يصل ا لاوراء الا مام، انتهى.[1]

وروى الترمذي في جامعه قال: حدثنا ا سحاق بن موسى الأنصاري قال أنا معن قال حدثنا /مالك عن أبي نعيم [۳۹] وهب بن كيسان أنه سمع جابر بن عبدالله يقول من صلى ركعة لم يقرأ فيها بأم القرآن فلم يصل ا لا أن يكون وراء الا مام وقال هذا حديث حسن صحيح، ا نتهى[2] أقول رجاله على شرط مسلم.

وروى ابن أبي شيبة في مصنفه: حدثنا ابن علية عن الوليد بن أبي هشام عن وهب بن كيسان، قال قال جابر بن

(۱) موطأ للا مام مالک: كتاب الصلاة۔ باب ما جاء في أم القرآن [ص: ۲۸، ص ۲۹ ج ۲ برقم: ۲۳۷]

(۲) جامع الترمذي: أبواب الصلاة۔ باب ما جاء في ترک القراءة خلف الا مام ا ذا جهر بالقر [ص: ۴۲ ج ۱، ص: ۱۲۴ ج ۲ برقم: ۳۱۳]

عبد اللّٰہ: من لم یقرأ في کل رکعة بأمّ القرآن فلم یصل ا لا خلف الإمام[1] انتھی.

وروی الطحاوي في شرح معاني الآثار: عن محمد بن علي بن داوٗد البغدادي وفھد بن سلیمان حدثنا ا سماعیل بن موسی حدثنا مالک، فذکر ھذا الحدیث با سنادہ. انتھی۔[2]

یعنی کہا جابر نے کہ جو شخص پڑھے ایک رکعت بدون سورۂ فاتحہ کے، نہیں ہوتی نماز اس کی، مگر یہ کہ ہو پیچھے امام کے۔ روایت کیا اس کو امام مالک نے موطا میں اور ترمذی نے اپنی جامع میں، اور کہا ترمذی نے کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ کہتا ہوں میں کہ روایت اس کی اوپر شرط مسلم کے ہے۔

اور روایت کیا اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے (جو استاد ہے بخاری اور مسلم کا) اپنی کتاب میں، جو نام اس کتاب کا مصنف ہے اور روایت کیا اس حدیث کو طحاوی نے معانی آثار میں۔

وایں چنیں حدیث اگرچہ سندش موقوف باشد بر صحابی لیکن در حکم مرفوع است، چراکہ فقرہ اول حدیث دلالت می کند، کہ نماز صحیح نمی شود، مگر بفاتحہ وثبوت ایں فقرہ بروایات صحیحہ مرفوعہ در صحیح بخاری وغیرہ اسم متحقق است۔ پس استثناء آں چنیں امر در حق مقتدی صحابی از رائے خود، بغیر سماع از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمی تواں کرد۔ پس ایں حدیث اگرچہ بظاہر موقوف است،

(۱) المصنف لا بن أبي شیبة: کتاب الصلاۃ باب من قال: لا صلاۃ ا لا بفاتحة الکتاب [ص ۲۳۹ ج ۳ برقم: ۳۶۲۱]

(۲) شرح معاني الآثار: کتاب الصلاۃ۔ باب القراءۃ خلف الا مام [ص: ۱۳۳ ج ۱]

مگر در حقیقت حکم مرفوع دارد۔

ترجمہ : اس طرح کی حدیث اگر چہ اس کی سند موقوف ہے صحابی پر، لیکن مرفوع کے حکم میں ہے، اس لئے اس حدیث کا، پہلا فقرہ دلالت کرتا ہے، کہ نماز صحیح نہیں ہوگی، مگر سورۂ فاتحہ سے۔ اور اس فقرہ کا ثبوت مرفوع صحیح احادیث سے بخاری شریف وغیرہ میں تام کے ساتھ واضح ہے۔

پس اس طرح کی بات کا حکم، مقتدیوں کے معاملہ میں کسی صحابی سے ان کی اپنی رائے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر نہیں کرسکتے۔ اس لئے یہ حدیث اگر چہ بظاہر موقوف ہے لیکن مرفوع کا حکم رکھتا ہے۔ [نور]

كما بين في أصول الحديث، قال الشيخ عبدالحق في بعض /رسائله، بماحاصله: والرفع الحكمي فكأخبار الصحابي عن ترتب ثواب أو عقاب على فعل أويفعل، ومالامجال فيه للاجتهاد أويخبر أنه من السنة الى غير ذلك من الصور التي لامجال فيه للاجتهاد. (1)

[۲۰/ب]

حاصل ان دونوں عبارتوں کا یہ ہے، کہ اگر صحابی خبر دے کسی فعل کے ثواب یا عقاب کی، یا بیان اس کا مخالف اجتہاد کے ہو، ایسی حدیث محدثین کے نزدیک، بیچ حکم حدیث مرفوع کے ہے اور حدیث مذکور جابرؓ کی بھی اسی قبیل سے ہے، کیونکہ جابرؓ کو مجال نہ تھی کہ وجوب سورہ فاتحہ کا بیان کر کے پھر اپنی طرف سے مقتدی کو وجوب مذکور سے مستثنیٰ کریں، بلکہ مرفوعاً نہ بیان کرنا ان کا دال اوپر متفق علیہ ہونے اس امر کے ہے، یعنی اگر زمانہ صحابہ میں اس امر کا مختلف فیہ ہونا جابرؓ کو معلوم ہوتا تو ضرور واسطے الزام مخالف کے، مرفوعاً بیان کرتے، کیونکہ

(1) مقدمہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مع حواشی السعدی مولانا عمیم الاحسان مجددی، ص: ۴ [ستارہ ہند لمیٹیڈ، کلکتہ: ۱۳۵۷ھ]

دعویٰ بلا دلیل سے موقع اختلاف میں نہایت خلل پیدا ہوتا ہے۔ واللہ أعلم وعلمه أتم.

وجہ چہارم: مرفوع حکمی ہونا حدیث جابر بن عبد اللہ کا، آثار صحابہ سے بھی ظاہر ہے، کیونکہ اقوال جمہور صحابہ خصوصاً صحابہ مجتہدین کے بایں شدت، کہ کاش کہ مقتدی کے منہ میں جو پڑھے پیچھے امام کے پتھر ہوں، انگارا آگ کا ہو، اور وہ فاسق ہے، دین پر نہیں، فاسد ہو جاتی ہے نماز اس کی علی الاطلاق، یعنی بدون تخصیص سورۂ فاتحہ وغیرہ اور نماز جہریہ وسریہ کے وارد ہونا صاف دال ہے، اس پر کہ صحابہ کرام کو قرأت خلف امام کے منع ہونے میں کوئی وہم اور احتمال جانب مخالف کا نہیں تھا، ورنہ سرزد ہونا ایسے مواعید شدیدہ کا، امر احتمالی میں صحابہ عظام سے جو امور دینیہ میں کمال محتاط تھے، ہرگز ممکن نہ تھا۔ یعنی ورود مواعید شدیدہ کا، اقوال صحابہ میں اس واسطے ہوا ہے، کہ ان کو منع ہونے قرأت خلف امام میں یقین کلی حاصل تھا، اور یقین کلی کا حاصل ہونا، ان کو بدون فرمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ممکن نہیں۔ واللہ أعلم وعلمه أتم.

وجہ پنجم: یہ وجہ بہت شافی اور کافی ہے یعنی مادہ نزاع اور اختلاف کی سخت بیخ کن ہے، وہ یہ ہے کہ مرفوع ہونا حدیث جابر مذکور کا بھی ثابت ہے۔ [دلیل ۲۶]

لما روى الطحاوي في معاني الآثار باسناد متصل مرفوع: حدثنا بحر بن نصر حدثنا يحيىٰ بن سلام أخبرنا مالك عن وهب بن كيسان، عن جابر بن عبد الله عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، أنه قال من صلى ركعة، فلم يقرأ فيها بأم القرآن فلم يصل، إلّا وراء الامام انتهى.(1)

---

(1) شرح معاني الآثار: كتاب الصلاة، باب القراءة خلف الامام [ص: ۱۴۳ ج ۱]
یحییٰ بن سلام کے بارے میں علامہ عینی فرماتے ہیں: قلت: قال ابن ابي حاتم سالت ابي عنه فقال: شيخ بصري وقع الى مصر صدوق. نخب الأفكار: كتاب الصلاة - باب القراءة خلف الامام [ص: ۳۹۸ ج ۵]

یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، کہ جس شخص نے پڑھی ایک رکعت اور نہ پڑھا سورۂ فاتحہ کو، پس نہیں ہوتی نماز اس کی، مگر یہ کہ ہو پیچھے امام کے۔ روایت کیا اس کو طحاوی نے، معانی آثار میں۔

اب عرض کرتا ہوں میں کہ جب کہ عام ہونا آیت: ا ذاقرئ القرآنا طلاق حدیث: من کان له ا مکانہ ممنوع ہونے قرأت کا، سورۂ فاتحہ وغیرہ کے ساتھ، تفسیر حدیث مرفوع حکمی اور حقیقی کے ثابت ہوا، تو کسی احتمال اور خدشہ کو گنجائش نہ رہی۔ اب طالب حق کو بجز تسلیم اور انقیاد کے، مکان دم مارنے کا نہیں۔ فظهر الحق والحق يعلو ولايعلىٰ، والله أعلم.

سوال: ظاہر مطلب آیت: ا ذاقرئ القرآن فاستمعو الہٗ معلوم ہوتا ہے کہ چپکے رہنے کا حکم، اس آیت میں واسطے استماع کے ہے اور وہ متصور ہے نماز جہریہ میں، نہ سریہ میں پس کس واسطے حمل نہیں کرتے حدیث: من کان له ا کو اوپر نماز جہریہ پر۔

كماهو مذهب مالک ويؤيد ماروى مالک في الموطأ من الآثار،

قال مالک عن هشام بن عروة عن أبيه، كان يقرأ خلف الا مام فيما لا يجهر فيه الا مام بالقراء ة، قال مالک عن يحيىٰ بن سعيد وعن ربيعة بن أبي ربيعة بن أبي عبدالرحمن أن القاسم بن محمد، كان يقرأ خلف الامام فيمالايجهر فيه الا مام بالقراء ة قال مالک عن زيد بن رومان أنّ نافع بن جبيربن مطعم كان يقرأخلف الا مام فيمالايجهر فيه☆ القراء ة. (۱)

(۱) موطا للا مام مالک: كتاب الصلاة ـ باب القراء ة خلف الا مام فيما لايجهر فيه بالقراء [ص: ۲۹، ص: ۲۰ ج ۱، رقم: ۲۴۱]

☆ اصل میں "فيما لايجهر الا مام بالقراءة"

یعنی عروہ اور قاسم اور نافع تھے پڑھا کرتے قرآن کو نماز سریہ میں پیچھے امام کے روایت کیا اس کو امام مالک نے موطا میں۔

جواب: یہ قول چند وجوہ سے مدفوع ہے:

وجہ اول: حکم خدا پاک کو اپنی رائے سے، تخصیص دینی ہرگز درست نہیں، بلکہ آیت اپنے عموم پر باقی ہے، جیسا کہ گذر چکی تحقیق اس کی، اور ورود صرف خاموشی کا، بعض احادیث میں بدون ذکر استماع کے شاہد عدل ہے، اس مدعا پر، اور وہ حدیث یہ ہے: **اذا قرئ القرآن فانصتوا**.

پس انصات معلق بوقت قرأت است وقرأت عام است جہریہ وسریہ را پس جزا یعنی سکوت ہم بہردو صورت مرتب خواہد شد ودر آیت کریمہ ظہور **فاستمعوا** اگرچہ بجز جہر صورت نمی بندد لیکن عمل "**بانصتوا**" اور ہر دو متصور است

ترجمہ: اس لئے خاموش رہنا [سکوت] قرأت سے متعلق ہے اور قرأت عام ہے جہریہ اور سریہ کو، پس جزا، یعنی خاموشی دونوں کو دونوں صورت میں مرتب ہوگا اور آیت کریمہ: **فَاستمعوا** پس سنو اور خاموش رہو۔ [نور]

یعنی حکم خاموشی کا حدیث مذکور میں متعلق کیا گیا ہے، ساتھ وقت پڑھنے قرأت کے، علی الاطلاق، یعنی نماز جہریہ ہو یا سریہ اور ظہور **فاستمعوا** کا جو آیت میں وارد ہے، اگرچہ موقوف اوپر جہریہ کے ہے لیکن عمل ساتھ **انصتوا** کے جو آیت اور حدیث میں وارد ہے، جہریہ اور سریہ دونوں میں ہوسکتا ہے، بلکہ ذکر انصات کا بعد استماع کے دلیل کامل ہے، اس امر کے مقصود بالذات ہونے پر، ورنہ ذکر انصات جو بموجب قول سائل کے موقوف علیہ استماع کا ہے، بعد ذکر استماع کے بطریق عطف لاطائل ہوتا، کیونکہ وجود شے بدون وجود موقوف علیہ، محالات سے ہے۔ پس گویا انصات بسبب موقوف علیہ ہونے کے استماع میں

مذکور ہو چکا، پس دوبارہ ذکر کرنا اس کا خالی تکرار سے نہ ہوتا، اور جو مقتدی بسبب بعد یا بہرا ہونے کے، قرأت امام کی نہ سنے تو بھی اس پر انصات کا لازم ہونا نزدیک امام مالک کے دلالت کرتا ہے کہ انصات صرف واسطے استماع کے نہیں اور وہ جو سائل نے، روایات موطا کی نقل کی ہیں، صرف اقوال تابعین کے ہیں۔ پس امام اعظمؒ جو تابعی اور مجتہد تھے، حدیث اور آیت کے مخالف ہو کر تقلیداً اپنا جوزبان کی کیونکر کرتے، بلکہ جو بعض صحابہ سے بھی اس باب میں منقول ہے، اس کو ابتدائے اسلام پر حمل کرنا چاہیے یعنی قبل نزول آیت: ا ذاقری القرآن کے قرأت خلف امام جاری تھی، بعدہ وہ ترک کی گئی تا مخالف آیت کی لازم نہ آئے۔

کما روی أبی بن کعب: ا نما نزلت هذه الآیة ترک القراءة خلف الا مام یعنی بعد نزول اس آیت کے، ترک کردیا لوگوں نے خلف امام کو، بلکہ قاسم بن محمد مذکور سے عدم قرأت خلف امام مخالف روایت امام مالک کے بھی ثابت ہے۔

قال محمد في موطأه: حدثنا أسامة بن زيد المدني حدثنا سالم بن عبدالله بن عمر قال: كان ابن عمر لايقرأ خلف الا مام قال أبي أسامة فسألت القاسم بن محمد عن ذلك؛ فقال ا ن تركه فقد تركه ناس يقتدى بهم أي الصحابة وا ن قرأت فقد قرأ ناس يقتدى بهم وكان القاسم ممن لايقرأ. (۱)

یعنی عبداللہ بن عمر نہیں پڑھا کرتے تھے، قرأت خلف امام کو، کہا اسامہ نے کہ پوچھا میں نے یہ مسئلہ قاسم سے، پس کہا قاسم نے، کہ اگر ترک کرے تو قرأت کو، تو ترک کیا ہے اس قرأت کو، ایسے لوگوں نے جو پیروی کی جاتی ہے ان کی، یعنی صحابہ اور تابعین [نے] اور اگر پڑھے قرأت کو، تو پڑھا ہے

(۱) الموطأ للا مام محمدؒ: باب القراءة في الصلاة خلف الا مام [ص: ۹۹]

ایسے شخصوں نے، کہ پیروی کی جاتی ہے، ان کی اور تھے قاسم ان لوگوں سے کہ نہیں پڑھتے تھے، پیچھے امام کے، روایت کیا اس کو امام محمدؒ نے موطا میں۔

پس ثابت ہوا کہ نزدیک قاسم کے قرأت اور ترک قرأت، دونوں امر برابر تھے، پس قول ان کا بموجب قاعدہ ا ذا تعارضا تساقطا ساقط ہوکر، جانب ترک قرأت کو مفید ہوا: لکونه أصليا فالمصير ا ليه ضروري عند تساقط الدلائل، وكُلّ شئ يرجع ا لى أصله، والله أعلم وعلمه أتم.

وجہ دوم: اگرچہ بعض آثار سے ثبوت قرأت خلف امام کا نماز سریہ میں پایا گیا ہے، لیکن آثار عدم قرأت کے بہت کثرت سے ہیں۔

نقل الكرماني عن الشعبي أدركت سبعين بدريًا، كلهم على أنه لايقرأ خلف الا مام.(۱) لیکن چوں کہ ان آثار مطلقہ میں خصم تقیید کا وہم کرسکتا تھا، لہٰذا اس مقام میں ان روایات کو نقل کیا جاتا ہے جو احتمال تخصیص جہریہ سے برتر ہیں۔

كماروى مسلم (۲) في صحيحه، عن عطاء بن يسار أنه أخبره أنه سئل زيدبن ثابت عن القراءة خلف الا مام، فقال لاقراءة مع الا مام في شئ انتهى.

[کرخ]

مراد في شئ من الصّلاة، كما هو مصرح في بعض الروايات. قال الطحاوي: حدثنايونس بن عبدالأعلىٰ حدثنا عبدالله بن وهب أخبرني حيوة بن شريح عن بكربن عمرو،

---

(۱) ملاحظہ ہو: حاشیہ فتح القدیر: کتاب الصلوٰۃ۔ فصل في القراءة [ص: ۳۴۲، ج: ۱]

(۲) المصنف لابن ابي شيبة: كتابُ الصّلاة، باب من كره القراءة خلف الا مام [ص: ۲۷۸ ج ۳، رقم: ۳۸۰۴] بتغییر یسیر۔ مسلم میں یہ روایت نہیں ملی۔

عن عبيدالله بن مقسم أنه سئل عبدالله بن عمروزيدبن ثابت وجابر بن عبدالله، فقالوا لاتقرأخلف الا مام في شئ من الصلوات.

حدثنايونس حدثنا ابن وهب أبي مخرمة بن بكر بن عبدالله بن الأشج عن أبيه عن عبدالله بن مقسم قال: سمعت جابر بن عبدالله فذكر مثله حدثنا يونس حدثنا ابن وهب أخبرني مخرمة عن أبيه عن عطاء بن يسار عن زيد بن ثابت سمعته يقول لايقرأ المؤتم خلف الا مام في شئ من الصلوت.

حدثنا فهد بن سليمان حدثناعلي بن معبد حدثنا ا سماعيل بن أبي كثير عن يزيد بن قسيط عن عطاء بن يسار عن زيد فذكر مثله.

قال الطحاوي فهولاء جماعة من أصحاب رسول ☆ الله صلى الله عليه وسلم قدأجمعوا ☆ على ترک القراء ة خلف الا مام وقد وافقهم على ذلک ماقد روي عن رسول☆ الله صلى الله عليه وسلم مما قدمنا ذكره وشهد لهم النظر الذي بماقد ذكرنا فذلک أولى مما خالفه. انتهى كلامه في معاني الآثار [١] کے یہ ہیں کہ قرأت خلف امام کے نماز جہریہ میں ہو یا سریہ

(١) شرح معاني الآثار: كتاب الصلاة ــ باب القراء ة خلف الا مام [ص: ٥٤٤ ج ١]

☆ اصل میں "النبي" ہے۔

☆ اصل میں "اجتمعوا" ہے۔

☆ اصل میں "النبي" ہے۔

ہرگز درست نہیں روایت کیا حدیث اول کو مسلم نے صحیح مسلم میں اور روایت کیا باقی احادیث کو طحاوی نے معانی آثار میں اور کہا طحاوی نے بعد ذکر ان احادیث کے کہ یہ گروہ صحابہ کرام کا متفق ہے اوپر ترک قرأت خلف امام کے اور حدیث مرفوع بھی موافق ان کے روایت کی گئی ہے پس ترک کرنا قرأت کا ضرور اولی و راجح ہوا قرأت خلف امام سے واللہ اعلم۔

[ک:۴]

وفي مصنف ابن أبي شيبة، حدثنا هُشيم☆ عن أبي بشر عن سعيد بن جبير قال: سألته عن القراءة خلف الا مام قال: ليس وراء الا مام قراءة [1] انتهى.

یعنی نہیں پیچھے امام کے قرأت، روایت کیا اس کو ابن ابی شیبہ نے مصنف میں۔

وروى محمد في كتاب الآثار: أخبرنا أبو حنيفة قال حدثنا حماد عن ا براهيم قال ماقرأ علقمة بن قيس، قط فيما يجهر فيه، ولا فيما لايجهر فيه ولا في الركعتين الأخريين، أمّ القرآن ولا غيرها خلف الا مام [2] انتهى.

یعنی نہیں پڑھا علقمہ نے پیچھے امام کے نماز جہریہ اور نہ سریہ میں، اور نہ دو رکعت اخیرہ میں، سورۂ فاتحہ اور نہ کسی اور آیت یا سورہ کو۔ روایت کیا اس کو امام محمد نے کتاب الآثار میں۔

---

(1) المصنف لابن أبي شيبة: كتاب الصلاة۔ باب من كره القراءة خلف الا مام.
[ص: ۲۸۰ ج ۳، رقم: ۳۸۱۳]

(2) كتاب الآثار: كتاب الصلاة۔ القراءة في الصلاة۔ باب القراءة خلف الا مام وتلقينه [: ۱۶۳ ج ۱]

☆ اصل میں "معتمر" ہے۔

قال العيني: وفي التمهيد: ثبت عن علي وسعد وزيد بن ثابت أنه لا قراءة مع الا مام لافيما أسره ولافيما جهر، انتهى.[1]

یعنی ثابت ہے علی اور سعد اور زید سے، کہ نہیں قرأت ساتھ امام کے نہ نماز سریہ میں اور نہ جہریہ میں۔ نقل کیا اس کو عینی شارح بخاری نے تمہید سے۔

حدثنا وكيع عن الضحاك بن عثمان عن عبدالله بن يزيد عن ابن ثوبان عن زيد بن ثابت، قال: لاتقرأ خلف الا مام لاا ن جهر ولاا ن لخافت.[2]

یعنی کہا زید بن ثابت نے، ترک کر قرأت خلف امام کو، نماز جہریہ اور سریہ دونوں میں۔

حدثنا الفضل عن زهير عن الوليد بن قيس قال: سالت سويد بن غفلة أقرأ خلف الإمام في الظهر والعصر؟ قال لا. رواهما ابن ابي شيبة.[3]

یعنی پوچھا سوید سے کہ قرأت خلف امام ظہر اور عصر میں درست ہے؟ کہا سوید نے درست نہیں۔ روایت کیا ان دونوں حدیثوں کو، ابن ابی شیبہ نے۔

فائدہ روایات مذکورہ صاف دال ہیں اس امر پر، کہ مذہب جمہور صحابہ کا بھی یہ ہے کہ قرأت خلف امام ہرگز درست نہیں، بلکہ اجماع صحابہ سے ظاہر یوں مفہوم ہوتا ہے، کہ نہیں کہا انہوں نے

(۱) عمدة القاري: أبواب صفة الصلاة ــ بابُ وجوب القراءة للامام والمأموم [ص: ٥٤ ج ٤، رقم: ٧٥٦]

(۲) المصنف لابن ابي شية: باب من كره القراءة خلف الامام [ص: ٢٧٩، ج: ٣]

(۳) المصنف لابن أبي شية: كتابُ الصّلاة ــ باب من كره القراءة خلف الا مام [ص: ٢٨٠ ج ٣، رقم: ٣٨١٧]

بدون دریافت کرنے اس امر کے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ چنانچہ وجہ آئندہ شاہد عدل ہے، اس مدعا پر واللہ أعلم بالصواب۔

وجہ سوم: هذا الدليل قاطع وملزم للخصم لايحتمل التأويل، بل يدفع كل الأقاويل يعني أنّه ثبت من الحديث المرفوع، صحيح الا سناد، بأنّ قراء ة الا مام قراء ة للمقتدي في الصلاة السرية أيضاً، كماروى محمد في موطأه.

أخبرنا ا سرائيل حدثني☆موسى بن أبى عائشة عن عبدالله بن شداد بن الهاد قال: أمّ رسول الله صلى الله عليه وسلم ☆ في العصر، قال فقرأ رجل خلفه فغمزه الذي يليه، فلمّا أن صلى قال: لم غمزتني قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم قدّامک فكرهت أن تقرأ خلفه فسمعه النّبي صلى الله عليه وسلم فقال: من كان له ا مام فا ن قراء ته له قراء ة،(١) انتهى.

یعنی جماعت کی آنحضرت نے نماز عصر کی، پس قرأت پڑھی ایک شخص نے پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے، پس ٹوکا اس کو پاس والے نے، بعد سلام پھیرنے کے، کہا اس نے کہ کیوں ٹوکا تونے مجھ کو؟ کہا کہ برا معلوم ہوا مجھ کو، پڑھنا تیرا پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے، پس سن کر فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، کہ قرأت امام کی قرأت مقتدی کی ہے۔

(١) الموطأ للا مام محمدؒ: باب القراء ة في الصلاة خلف الا مام [ص: ١٠١]

☆ اصل میں "حدثني" کے بجائے "عن" ہے۔

☆ اصل میں "الناس" کا اضافہ ہے۔

روایت کیا اس حدیث کو امام محمد نے موطا میں۔

چونکہ یہ روایات صرف واسطے ثبوت اس امر کے بیان کی گئی ہیں، کہ نماز سریہ میں بھی قرأت خلف امام لازم نہیں۔ پس اس مقام پر نہ عود کرے شبہ سابق، کہ ان روایات سے منع قرأت ماورائے فاتحہ مراد ہے، کیونکہ جواب اس اعتراض کا عنقریب ساتھ براہین قویہ کے بیان ہو چکا ہے۔

وروى الليث بن سعد عن أبي يوسف، عن أبي حنيفة، عن موسى بن أبي عائشة عن عبدالله بن شداد عن جابر بن عبدالله أنّ رجلاً، قرأ خلف النّبي صلى الله عليه وسلم في الظهر أو العصر، فاومأ ا ليه رجل، فنهاه فلمّا انصرف قال نهاني أن أقرأ خلف النّبي صلى الله عليه وسلم، فتذاكرا ذلك حتى سمع النّبي صلى الله عليه وسلم فقال: من صلى خلف الا مام فا ن قراءة الا مام له قراءة، انتهى.

[۳۲]

ذكره المرتضى الحسيني في شرح المسند وسنده صحيح[1] وأيضاً أشار ا لى هذا الحديث ا بن الهمام في فتح القدير حيث قال وفي رواية لأبي حنيفة أن ذلك كان في الظهر أو العصر بكذا "أن رجلاً قرأ خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم في الظهر أو العصر، فأومأ ا ليه رجل فنهاه،

(۱) مسند الا مام الأعظم لملاعلي قاري: ا ختلاف قراءة المقتدي خلف الا [ص: ۱۵۱—۱۵۰ مطبع محمدی، لاہور: ۱۳۰۰ھ] تحقيق: خليل محي الدين الميس ص: ۳۰۹ [دار الكتب العلميه۔ بيروت: ۱۴۰۵ھ].

فلمّاانصرف قال: أتنهاني" الخ.[1]

حاصل معنی اس حدیث کے بھی یہی ہیں، کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، بطور فیصلے کے، کہ قرأت امام کی قرأت ہے واسطے مقتدی کے۔ ذکر کیا اس حدیث کو مرتضی حسینی نے، شرح مسند میں اور ابن ہمام نے فتح القدیر میں، اور اسناد اس حدیث کی صحیح ہے۔

قال العيني في شرح البخاري: وأخرج الدارقطني عن ابن عباس عن النّبي صلى الله عليه وسلم: قال يكفيک قراءة الا مام خافت أو جهر.[2]

یعنی فرمایا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، کفایت کرتی ہے تجھ کو قرأت امام کی سریہ اور جہریہ میں روایت کیا اس کو دار قطنی نے

پس اب واجب ہوا عمل کرنا آیت اور حدیث کا اوپر اس بات کے کہ قرأت خلف امام مطلقاً جائز نہیں یعنی قرأت سورۂ فاتحہ وغیرہ کی مقتدی کو کسی نماز میں جہریہ ہو یا سریہ ہرگز درست نہیں۔ تا کہ جمیع احادیث صحیحہ اور آیت میں توافق حاصل ہو۔ **كما هو الحق الصريح والحق احق بالاتباع.**

حکایت: ایک گروہ اہل علم کا واسطے مناظرہ، مسئلہ قرأت خلف امام کے، امام اعظم کے پاس آیا اور کہا امام کو، کہ منع قرأت خلف امام کی کیا دلیل ہے؟ فرمایا امام نے چونکہ ایک شخص کو، جماعت کثیرہ سے مناظرہ کرنا بہت مشکل ہے۔ پس لائق ہے تم کو مختار

---

(۱) فتح القدير: كتاب الصلاة ــ بابُ صفة الصّلاة ــ فصل في القراءة [ص:۳۳۹ ج ۱]

(۲) عمدة القاري: أبواب صفة الصّلاة ــ باب وجوب القراءة للا مام والمأموم [ص:۳۴۸ ج ۳، رقم:۷۵۶] سنن الدارقطني: كتاب الصّلاة ــ بابُ ذكر قوله ﷺ من كان له ا مام فقراءة الا مام له قراءة واختلاف الروايات في ذلک [ص:۱۲۶ ج ۱، ص:۳۲۵ ج ۱، رقم:۱۲۴۱]

کرو، اپنے میں سے ایک کو، پھر انہوں نے مختار بنا کر ایک عالم کو پیش کیا۔ امام نے کہا کہ جیت ہار اس کی کو تم اپنی جیت ہار سمجھو گے، کہا سب نے ہاں! فرمایا امام اعظمؒ نے جب مناظرہ ایک شخص کا کفایت کرتا ہے، جماعت کی طرف سے، پس قرأت امام کی کیوں نہیں کفایت کرتی واسطے مقتدیوں کے۔ پھر کسی کو جواب نہ آیا مغلوب ہو کر چلے گئے

واللہ أعلم وعلمہ أتم.

تنبیہ: چونکہ امام اعظم کو اللہ جل شانہ نے ایسی فراست عطا فرمائی تھی، کہ اکثر مضامین آیات اور احادیث مشکلہ کو، عقلی طور پر واسطے تعلیم عوام کے ایسا بیان کر دیتے تھے، کہ کسی کو گنجائش چوں و چراں کی باقی نہیں رہتی تھی۔ جیسا کہ حکایت مذکورہ بظاہر دلیل عقلی معلوم ہوتی ہے اور حالانکہ یہ مغز ہے، حدیث:

من كان له ا مام فقراءة الا مام له قراءة كما لا يخفى على المتأمل

اور بیان بعض مسائل کا احادیث نبویہ میں ایسے نہج پر وارد ہے:

عن ابن عباس رضي الله عنه أتى رجل النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: ا ن أختي نذرت أن تحج وأنها ماتت فقال النبي صلى الله عليه وسلم لو كان عليها دين، أكنت قاضيه قال نعم: قال فاقض الله فهو أحق بالقضاء. متفق عليه.(1)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے، ایک شخص نے یہ مسئلہ پوچھا کہ میری ہمشیرہ نے حج کو نذر کیا تھا اور اس نے بدون ادا کرنے حج کے وفات پائی،

(1) صحيح البخاري: كتاب الأيمان والنذور- باب من مات وعليه نذر [ص: ۹۹۱ ج ۲، رقم: ۶۳۳۳، ص: ۱۲۰، جزء ۸ ج ۳، رقم: ۶۶۹۹] صحيح المسلم: كتاب الصيام: باب قضاء الصوم عن الميت: ص: ۵۰۹، ج: ۱، تحقيق: نظر محمد الفاريابي، [بتغير الفاظ]

فرمایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، اگر ہوتا اس پر قرض تو ادا کرتا؟ کہا اس نے کہ ہاں! فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، پس ادا کر قرض خدا کا، جو تیری بہن پر ہے۔ کیونکہ قرض خدا کا ادا کرنا بہت بہتر ہے۔ روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے۔

پس اصحاب رائے ہونا ائمہ حنفیہ کا، باعتبار فہم اور فراست کاملہ کے ہے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت کیا ہے۔ امام سیوطیؒ شافعی نے۔

عن أبي هريرة قال كنا جلوساً، عند النّبي صلى الله عليه وسلم، ا ذ نزلت عليه سورة الجمعة، فلمّا قرأ "وآخرين منهم لما يلحقوا بهم" قال من هولاء يارسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فلم يراجعه النّبي حتى سأله مرّة أومرتين أوثلثاً؛ قال وفينا سلمان الفارسي قال فوضع النّبي صلى اللّٰه عليه وسلم يده على سلمان، ثم قال: لوكان الا يمان عند الثّريا لناله رجال من هولاء.

[ص۱۵۹]

قال النووي (۱) فيه فضيلة ظاهرة لِأهل الفار س./

قال الشّامي قال النّبي صلى اللّٰه عليه وسلم لوكان الا يمان عند الثّريا لتناوله رجال من أبناء فارس.

رواه الشيخان عن أبي هريرة والطبراني عن ابن مسعود وروى أبونعيم عن أبي هريرة.

---

(۱)حاشيه صحيح مسلم: كتاب الفضائل، باب فضل فارس[ص: ۳۱۲]

صحيح مسلم: كتاب الفضائل، باب فضل فارس[ص: ۳۱۲ ج ۲]تحقيق ص: ۱۹۱ ج ۷ رقم: ۲۵۴۶]

والشيرازي والطبراني عن قيس بن سعدبن عبادة ،بلفظ: أنّ النّبي قال: لو كان العلم معلقاً عند الثّريا،لتناوله رجال من أبناء فارس ولفظ الطبراني: لتناوله العرب، الرجال ومن أبناء فارس.
وفي رواية مسلم، عن أبي هريرة: لو كان الا يمان عند الثّريا لذهب به رجل من أبناء فارس حتى يتناوله.
وفي رواية للشيخين، عن أبي هريرةؓ: والذي نفسي بيده لو كان الدين معلقاً بالثُّريّا، لتناوله رجل من فارس.
وقد كان جد أبي حنيفة من فارس. قال الحافظ السيوطيؒ ذاالحديث الذي رواه الشيخان، أصل صحيح، يعتمد عليه في الا شارة لأبي حنيفة وهو متفق على صحته وبه يستغني عن ماذكره أصحاب المناقب من الأحاديث الوضعية،قال العلامة الشّامي تلميذ السيوطي ماجزم به شيخنا من أن أباحيفة هو المراد من هذا الحديث ظاهر لاشکّ فيه، لأنّلم يبلغ من أبناء فارس، في العلم مبلغه أحد[1] انتهى كلام الشّامي ملخّصاً.
یعنی،فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے: کہ اگر ہوتا ایمان نزدیک ثریا کے

---

(1)صحيح البخاري: كتاب التفسير باب قوله وآخرين منهم لما يلحقوا [ص:۷۲۷،ج:۲،رقم: ۴۷۸، ص:۱۲۶، جزء:۶، ج:۲، رقم: ۴۸۹۷] صحيح مسلم: كتاب الفضائل ـ باب فضل فارس[ص:۳۱۲، ج:۲، ص:۱۹۱، ج:۷،رقم: ۲۵۴۶] المعجم الاوسط للطبراني: من إسمه مقدام ص:۲۹۹، ج:۶، رقم: ۸۸۳۸[دار الكتب العلمية، بيروت: ۱۴۲۰ھ] بتغيير الالفاظ.
ردالمحتار:مقدمه ــ مطلب يجوز تقليد المفضول مع وجود الافضل، ص :۳۷، ج: ۱[م:مجتبائی ــ دهلی:۱۲۸۷ھ]

البتہ لیتے اور پاتے، اس کو کتنے شخص فارس کے، یا پالیتا اس کو ایک شخص فارس کا۔ روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم اور ابونعیم اور طبرانی نے اور ایک حدیث یوں وارد ہے کہ قسم ذات پروردگار کی، کہ اگر ہوتا دین معلق ساتھ ثریا کے، تحقیق پاتا اس کو ایک شخص فارس کا۔ روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے۔

اور تھا جدامجد امام صاحب کا فارس سے، کہا امام سیوطی شافعی المذہب نے، کہ یہ حدیث صحیحین کی کافی ہے، واسطے تعریف امام اعظمؒ کے، اور کہا علامہ شامی نے کہ کہا سیوطی استاد نے میرے، کہ نہیں مراد اس حدیث سے کوئی/ شخص سوائے امام اعظمؒ کے حق صریح ہے، کیونکہ امام اعظم کے برابر کوئی عالم ابنائے فارس میں سے نہیں ہوا۔

[ر: ۳۹]

وفي الشّامي قال ابن حجر: قال بعض الأئمة لم يظهر لأحد من أئمة الا سلام المشهورين مثل ماظهر لأبي حنيفة من الأصحاب والتلاميذ ولم ينتفع العلماء وجميع الناس بمثل ماانتفعوا به وبأصحابه في تفسير الأحاديث المشتبهة والمسائل المستنبطة والنوازل والقضايا والأحكام. جزاهم الله تعالى الخير التّام انتهى.(۱)

یعنی کہا ابن حجر شافعی نے، کہ کہا ہے بعض ائمہ نے کہ نہیں ظاہر کثرت شاگردوں اور متبعین کی واسطے کسی امام کے، مثل امام اعظم کے، اور نہیں نفع اٹھایا علماء اہل اسلام نے امام اعظم جیسا، کسی امام سے، تفسیر احادیث مشکلہ اور مسائل قیاسیہ وغیرہ میں۔

(۱) ردّ المختار: مقدمہ ۔ مطلب یجوز تقلید المفضول مع وجود الأفضل [ص: ۳۹ ج ۱]

جب کہ احادیث صحیحہ سے ثابت کردیا، امام سیوطی شافعی المذہب وغیرہ نے، کہ علم اور فراست دین کی، امام اعظم جیسے کسی امام کو حاصل نہیں ہوئی پس جو شخص اصحاب رائے ائمہ حنفیہ کو بایں معنی کہتے ہیں، کہ تمسک ان کا آیات اور احادیث سے نہیں، سخت گمراہ اور کذاب ہیں مثل رفاض اور خوارج کے۔ کیونکہ امام اعظم قیاس پر اس وقت عمل کرتے تھے، کہ جب کسی صحابی کا قول بھی نہ ملے، جیسا کہ امام ربانی نے مکتوبات کی دوسری جلد میں یوں لکھا ہے:

امام ابوحنیفہ در تقلید سنت از ہمہ پیش قدم است، احادیث مرسل را در رنگ احادیث مسند شایان متابعت می داند و بر رائے خود مقدم می دارد، ہمچنیں قول صحابی را بواسطہ شرف صحبت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات، بر رائے خود مقدم میدارد، ودیگراں نہ چنیں اند، مع ذلک مخالفان اور اصاحب رائے میدانند والفاظے کہ مبنی از سوء ادب اند باو منتسب می سازند، باوجود آنکہ ہمہ بکمال علم ووفور ورع وتقویٰ او معترف اند، حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ایشاں را توفیق دہاد کہ آزار رئیس دین ورئیس اسلام نہ نمایند، وسوادِ اعظم اسلام را ایذا نہ کنند یریدون لیطفؤا نور اللّٰہ بأفواھھم جماعہ کہ ایں اکابر دین را، اصحاب رائے می دانند، اگر ایں اعتقاد دارند کہ ایشاں براے خود حکم می کردند، ومتابعت کتاب وسنت نمی نمودند، پس سواد اعظم از اہل اسلام بزعم فاسد، ایشاں ضال ومبتدع باشند بلکہ از جرگہ اہل اسلام بیرون بوند، ایں اعتقاد نکند، مگر جاہلے کہ از جہل خود بے خبر است، یا زندیقے مقصودش ابطال شطر دین است ناقصے چند احادیث چند را یاد گرفتہ اند، واحکام شریعت منحصر دراں ساختہ اند وماوراے معلوم خود را نفی می نمایند، وآنچہ نزد ایشاں ثابت نہ شدہ منفی می سازند، شعر:

ج ۲ ص ۵۲

چوآں کرمے کہ در سنگے نہاں است　　زمین و آسمانِ او ہماں است

انتہی ملخصاً [1]

ترجمہ: [2] عجیب معاملہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سنت کی پیروی میں سب سے پیش پیش ہیں، حتی کہ احادیث مرسل کو احادیث مسند کی طرح متابعت کے لائق جانتے ہیں اوران کو اپنی رائے پر مقدم کرتے ہیں اوراسی طرح صحابہؓ کے قول کو، حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی شرف صحبت کے باعث، اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں، دوسروں کا حال ایسا نہیں ہے۔ اس کے باوجود مخالفین، ان کو "صاحب رائے" کہتے ہیں اور ایسے ایسے الفاظ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں، جن سے بے ادبی ظاہر ہوتی ہے، حالانکہ وہ سب ان کے کمال علم اور ورع وتقوی کی کثرت کا اقرار کرتے ہیں، حق سبحانہ وتعالیٰ ان حضرات کو توفیق عطا کرے، کہ وہ دین کے پیشوا اور اہل اسلام کے سردار کی دل آزاری نہ کریں اور اسلام کے "سواد اعظم" کو ایذا نہ دیں۔ يُرِيدُونَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُورَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ [توبہ آیت: ۳۲] وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔

وہ لوگ جو دین کے ان اکابر کو "صاحب رائے" جانتے ہیں اگر وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ بزرگوار اپنی رائے سے حکم کرتے تھے اور کتاب وسنت کی متابعت چھوڑ دیتے تھے، تو ان کے فاسد خیال کے مطابق اہل اسلام کا "سواد اعظم" گمراہ اور بدعتی ہوا بلکہ گروہ اسلام سے بھی باہر ہوگا۔ اس قسم کا

---

(۱) مکتوبات امام ربانی: ص:۱۴-۱۵، حصہ ہفتم، مکتوب: ۵۵ ج:۲ [عکس نسخہ بحواشی وتصحیح مولانا نور محمد امرتسری] مکتبہ القدس۔ کوئٹہ

(۲) اردو ترجمہ از مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب دفتر دوم مکتوب: ۵۵، ص:۲۰۱-۲۰۲، مطبوعہ دہلی ۱۴۳۳ھ۔ ۲۰۱۲ء

اعتقاد وہی بے وقوف جاہل کرسکتا ہے، جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے، یا پھر وہ زندیق، جس کا مقصود دین اسلام کے نصف حصہ کو باطل کرنا ہے۔ ان چند ناقص لوگوں نے چند احادیث یاد کرلی ہیں اور احکام شریعت کو ان ہی میں منحصر جانتے ہیں اور اپنی معلومات کے سوا سب کی نفی کرتے ہیں، اور جو کچھ ان کے نزدیک ثابت نہیں، اس کا انکار کردیتے ہیں۔

چو آں کرمے کہ در سنگے نہاں است　　　　زمین و آسمانِ او ہما است

وہ کیڑا جو کہ پتھر میں نہاں ہے　　　　وہی اس کی زمین اور آسمان ہے

یعنی مذہب امام اعظم کا، موافق زیادہ ہے ساتھ حدیث کے۔ پس اصحاب الرائے کہنے والے، امام اعظم کو بایں معنی، کہ متابعت قرآن وحدیث کی نہیں کرتے، بلکہ قیاس پر عمل کرتے ہیں، جاہل یا زندیق ہیں۔

اسی طرح لکھا ہے شیخ عبدالحق نے شرح سفر سعادت میں [1] اور شاہ ولی اللہ نے فیوض الحرمین [2] میں اور امام شعرانی نے میزان [3] میں۔ واللہ یهدي من یشاء ا　لی صراط المستقیم۔

اب کہتا ہے کاتب الحروف احمد علی، کہ یہ عاجز مسائل مختلفہ بین الائمہ میں سکوت اور ترک تنازع کو، بہتر ترین امور کا سمجھتا ہے۔ کیونکہ حکم قطعی کا ثابت ہونا، مسائل اجتہادیہ میں محال ہے، بلکہ مدنظر شارع کا یہی ہے۔ قال علیه السلام اختلاف أمتي رحمة یعنی فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، اختلاف امت میری کا رحمت ہے، تاکہ ہر

---

(۱) شرح سفر سعادت از شیخ عبدالحق محدث دھلوی ص: ۲۳-۲۴ [منشي نول کشور، لکھنؤ: بلاسنہ]

(۲) فیوض الحرمین: شاهد آخری بالا　جمال ص: ۲۲ [مطبع احمدی-دهلی: ۱۳۰۸ هـ]

(۳) کتاب المیزان لعبد الوهاب الشعراني: مقدمة الکتاب-فصل في بیان ضعف قول من نسب الا　مام أبا حنیفة ص: ۷۷ ج ۱ [اکمل المطابع-دهلی: ۱۲۸۶ هـ]

مجتہد بموجب فہم وفراست اپنی کے، مسائل قیاسیہ کو ادلہ شرعیہ سے استنباط کرکے، ثواب پائے، ورنہ مسائل اختلافیہ بھی ساتھ دلائل قطعیہ کے، قرآن وحدیث میں مثل باقی مسائل صوم وصلوٰۃ کے بیان ہوتے۔

بل في هذا الاختلاف حكمة غامضة. كما قال السيوطي في جزيل المواهب في بيان اختلاف المذاهب: اعلم أن ا ختلاف المذاهب في هذه الملة، منة كبيرة وفضيلة عظيمة، وله سر لطيف أدركه العالمون و عمي عنه الجاهلون، حتى سمعت بعض الجهال يقول النّبي صلى الله عليه وسلم جاء بشرع واحد فمن أين مذاهب أربعة؟ ومن العجب أيضا من يأخذ في تفضيل بعض المذاهب على بعض تفضيلا، يؤدّى ا لى تنقيص المفضل عليه وتقبيحه، وربّما أدّىٰ ا لى الخِصَامِ بين السفهاء وصارت تفضيلاً حمية الجاهلية، والعلماء ينزهون عن ذلك.

وقد وقع الاختلاف في الفروع بين الصحابة وهم خير الأمّة، فماخاصم أحد أحداً فكيف. وقد ورد أن ا ختلاف هذه الأمّة رحمة من اللّٰه تعالىٰ: وقال عليه السلام."إنّ أصحابي بمنزلة النّجوم في السّماء فأيما أخذتم واهتديتم" وا ختلاف أصحابي لكم رحمة.

وقال أي السيوطي: أنّ في هذا الحديث فوائد: منها أخباره صلى الله عليه وسلم با ختلاف المذاهب بعده في الفروع، ورضاء ه بذلک، وتقرره عليه ومدحه له حيث جعله رحمة،

فيستنبط منه أن كُلّ المجتهدين على هدى أو كُلّهم على حقّ، فلالوم على أحدٍ منهم، ولاينسب ا لى أحدمنهم تخطية. لقوله عليه السلام: فأيما أخذتم به اهتديتم. وفي ذلك سر لطيف.

فمن ثم، روى البيهقي في المدخل بلفظ: مايسرّني لوأن أصحاب محمدٌ لم يختلفوا لِأنّهم لولم يختلفوا لم تكن رخصة. انتهىٰ كلام السيوطي ملخّصاً. (۱)

حاصل کلام سیوطی کا یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کو چوراہا کہنے والا جاہل اور گمراہ ہے اور اسی طرح طعن کرنے والا کسی مذہب کو مذاہب اربعہ سے درجہ جہالت میں پڑرہا ہے، کیونکہ اختلاف مذاہب اربعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث أصحابي کا لنجوم الخ میں بطریق پیشین گوئی اور مژدہ کے بیان فرمایا ہے، پس بموجب اس حدیث کے اختلاف مذہب کو بدعت اور طرف کسی امام کی نسبت خطا کی کرنے والا گمراہ اور منکر ہے حدیث کا۔

پس طالبان دین را مناسب، بل انسب است کہ ازین ورطہ ضلالت یعنی جدل ومناقشہ کہ موجب تفسیق بایں می شود محترز باشند، ورتبہ اجتہاد واستنباط احکام از نصوص، وترجیح یکے بر دیگر ومعرفت ناسخ وغیرہ، امور متعلقہ آں، دریں ایام بسبب بعد زمان وغلبہ جہل دشوار وہمیں گشت، مارا وجہ التزام تقلید، والا از طرف شارع بتقلید یکے از ابی حنیفہ وشافعی وغیرہما، ماہ نہ ایم۔ لکن ہرگاہ کہ لاچار شدیم از معرفت احکام دین، بسبب قصور در علم وفہم وست بدیہ یکے از سلف زدیم، چرا کہ یقین میدانیم کہ اگر پیرو رائے خود خواہیم شد، بجہت عدم تفقہ در دین وغلبہ ہوائی نفس در سفاک ضلالت خواہم افتاد۔ الّا ماماشاء

[کرکے۲۷]

(۱)

پس راه سلامت روی ہمیں است کہ ہر کہ را توفیق یزدانی دست دہد بہ عمل وتقوی کوشد، واز بحث وتنازع خودرا دور کند۔ واتباع مذہبی از مذاہب اربعہ اختیار کند۔ زیرانکہ اکثر مباحثہ مابین منجر بہ نفسانیت ولی روی سخن میشود۔ تا آنکہ بسا اوقات قائل خود بدل خویش می فہمد، کہ حق بجانب من نیست لکن ازاں بسبب خواہش نفسانی، ودواعی شیطان باز نمی گردد۔ بلکہ جویای این می شود، کہ معنی آیت وحدیث بجہت دعوے باطل خود تاویل کنم، **نعوذ باللّٰہ مِن شرور أنفسنا.**

برائے ہمیں معنی از جواب مسئلہ ہذا، چند بار پہلوتہی کردم، لیکن چوں خلاص نیافتم مگر تحریر آں، ونیز استماع حال تدین وتقوی، مولوی محمد شاہ صاحب کہ بہ تحریک ایں سلسلہ اند، موید ایں گشت۔ چرا کہ اہل حق راغرض از استفسار تحقیق می باشد، نہ بحث وجدل۔ لہٰذا طوعاً وکرہاً باوجود بے مایگی وعدم بہم رسی مواد، کما ینبغی چند سخنان حسب حوصلہ ناقص خود، از دلائل حنفیہ ہرچہ سردست بنظر گذشتہ، از کتب تتبع کردہ، بضمن تحریر آوردم، واز خطاء سہو دریں جملہ ایمن نیم۔ اگر کسی برادر مسلم برآں مطلع شود، مراہم اگر ممکن باشد، ارشاد حق نماید۔

جزاه اللّٰه خيرَ الجزاء. فنسألُ اللهَ التوفيقَ لمايحب ويرضى، والهداية ا لى طريق الهدى، وأن يجعل آخرتنا خيراً من الأولى. وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله محمدو آله وأصحابه أجمعين.

تمت۔ ہزار ہزارے شکر وسپاس کہ کتاب مستطاب، فیض انتساب، **أعني ترجمة: دليل القويّ على ترك القراءة للمقتدي** بتاریخ ہشتم ماہ رجب سنہ ۱۲۹۵ھ مقدس معلی درمطبع رحیمی منشی عصمت اللہ واقع سرائے نواب علی محمد خاں صاحب [غالباً لدھیانہ] صورت اختتام یافت۔